ہفت روزہ
ندائے خلافت
یکم نومبر ۱۹۹۳ء

☆ امیر تنظیم اسلامی کے خطاب جمعہ کا سیاسی حصہ
☆ تحریک خلافت پاکستان کی سالانہ رپورٹ
☆ عربوں کو "امن" آخر مل ہی گیا

تنظیم اسلامی پاکستان کا اٹھارواں سالانہ اجتماع

اٹھارہ سال سے چند مہینے اوپر کی بات ہے کہ لاہور ہی کی ایک بستی، سمن آباد میں ایک چھوٹا سا کارواں ترتیب دیا گیا جس کے پیش نظر ایک بڑی ہی کٹھن منزل تھی۔ دل میں ذوق سفر اور دماغ میں کسی منزل کا سودا رکھنے والے چند لوگ جہاں کہیں جمع ہو جائیں، اکثر کسی قافلے کی صورت اختیار کر ہی لیتے ہیں لیکن اس قافلے کی نوعیت ذرا مختلف تھی۔ یہ ایک شخص کی پکار پر کھنچے چلے آنے والوں کی جمعیت تھی جسے اپنے یقین محکم کی پختگی اور ایک احساس فرض کی گہرائی نے گوشہ عزلت سے نکال کر عزم سفر پر مجبور کر دیا تھا' ایک ایسی منزل کی طرف سفر کا عزم جس کا تعین انسانوں کے خالق و مالک کی طرف سے تخلیق آدم کے ساتھ ہی کر دیا گیا تھا اور اس پر مستزاد ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت تھی کہ چلو تو ایک زمانے کو ساتھ لے کے چلو۔ اپنی پکار کے جواب میں جمع ہونے والے گنتی کے چند ساتھیوں کے سینوں کو اللہ کے آخری پیغام کے نور سے منور کرنے میں اپنی راتوں کا چین اور دن کا آرام تج دینے والے اس شخص نے پھر جانب منزل چلنا شروع کیا تو راہرو ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

یہ کارواں اب اپنے اٹھارویں پڑاؤ میں خیمہ زن ہے' ستانے کے لئے نہیں بلکہ رخت سفر کا جائزہ لینے کے لئے جس کے دوران میں میر کارواں کو حسب ضرورت نئی صف بندی کا موقع بھی دستیاب ہو گا۔ "ندائے خلافت" راہ وفا کے ان مسافروں کا اس پڑاؤ پر خیر مقدم کرتے ہوئے ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں اور انہیں بھی خوب معلوم ہے کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی اور دور تک اس کا سراغ بھی تاحال نہیں ملتا جس کا ارادہ کر کے آغاز سفر کیا گیا تھا' پھر تہنیت کس بات کی اور مقام شکر کیسا؟۔ مبارک ہو یہ امر واقعہ اور شکر کیا جائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس توفیق کا کہ تنظیم اسلامی کے قافلے نے اپنا رخ بدلا ہے نہ وہ کوئی نیا اور آسان تر راستہ دریافت کر لینے کے فریب میں مبتلا ہوا بلکہ راہ و منزل کے تعین پر پہلے سے زیادہ انشراح صدر حاصل ہوا ہے' نشانات راہ کو اور بھی پختہ کر دیا گیا ہے کہ منزل اسے نصیب نہ ہو تب بھی اتنا تو ہو کہ آنے والے ہی راہ یاب ہوں' اپنی توانائیاں راستہ تلاش کرنے میں کھپانے کی بجائے وہ بے دھڑک آگے بڑھتے چلے جائیں کیونکہ منزل مراد کی طرف بڑھنے والے قدموں سے یہ دنیا کبھی خالی نہ ہو گی۔---- اور آئیں گے عشاق کے قافلے۔

اب اٹھئے اور کمر ہمت ایک بار پھر کس لیجئے۔ یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھا' یقیناً متاع کارواں ہے۔ اسے معاشرے میں تقسیم کیجئے' لٹا دیجئے اور مایوسی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیجئے جو زوال علم و عرفاں ہے بلکہ یقین محکم کے پھریرے اڑاتے آگے بڑھیئے۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ نے آسودگی منزل کا انعام بھی آپ ہی کے لئے مخصوص کر رکھا ہو---- تیز ترک و گام زن' منزل ما دور نیست۔ OO

قیمت ۵ روپے

عربوں کو "امن" آخر مل ہی گیا!

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

غزہ کا علاقہ شروع سے اسرائیل کے لئے خفت اور پریشانی کا باعث رہا ہے۔ اسرائیلی قابض فوج اور یہودی آباد کاروں کے خلاف 'انتفاضہ' کی کارروائیوں سے تنگ آکر اسرائیلی حکام یہ سوچنے پر مجبور ہو چکے تھے کہ کسی طرح اس فاقہ زدہ' گنجان آباد علاقہ سے پیچھا چھڑایا جائے۔ انہوں نے مصر کو پیشکش کی تھی کہ اس کا کنٹرول سنبھال لے مگر اس نے کوئی دلچسپی نہ لی۔ اسرائیل کی حکمت عملی یہ ہے کہ زمین اس کی ملکیت ہو' مگر وہاں کے فلسطینی کسی اور کی ذمہ داری ہوں۔ اس فارمولے پر مبنی متعدد منصوبے اس سے قبل وہ فلسطینیوں کو پیش کر چکا تھا۔ اس کی حالیہ کامیابی کا سہرا یاسر عرفات کے سر ہے جس نے اپنی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ بچانے کے لئے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اسرائیل ۱۹۸۷ء سے انتفاضہ کے ہاتھوں جس دہری مصیبت میں گرفتار تھا وہ اب یہ جانیں۔

"ان گلی کوچوں میں پتھر پھینکنے والے فلسطینی چھوکروں کے پیچھے بھاگنے سے ہماری جان چھوٹی"

دو سو تینتیس مربع میل رقبہ پر مشتمل غزہ کی تنگ پٹی دنیا کی گنجان ترین آبادی والا علاقہ شمار ہوتا ہے جہاں آٹھ لاکھ فلسطینی کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں اور حالات نے انہیں پر امن مزاحمت کرتے کرتے بالآخر مسلح تصادم کی راہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ علاقہ اقتصادی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا' یہی وجہ ہے کہ اب تک یہاں کل سولہ بستیاں آباد کر کے صرف چار ہزار یہودیوں کو آباد کیا جا سکا ہے۔ اس کے برعکس مغربی کنارے میں ایک سو بتیس بڑی بڑی بستیاں ہیں جن میں ایک لاکھ دس ہزار کے قریب یہودی آباد ہو چکے ہیں۔

جہاں تک جریکو کا تعلق ہے' جو یاسر عرفات کا "دارالحکومت" بننے والا ہے' اس کی اہمیت غالباً صرف اتنی ہے کہ یہ مغربی اور مشرقی کنارے کو ملانے والے پل کے قریب واقع ہے اور فلسطینیوں کی بے دخلی کے لئے کار آمد تھا۔ یا پھر یہ کہ اسرائیل جس علاقے پر قابض ہو جائے اسے چھوڑنا اس کی سرشت میں نہیں حالانکہ تورات کی رو سے یہ "ملعون بستی"

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام' ان شاء اللہ العزیز

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

داعی تحریک خلافت پاکستان

۲۱/ نومبر تا ۲۵/ نومبر بعد نماز مغرب

خالق دیناہال بندر روڈ کراچی میں

خطبات خلافت

ارشاد فرمائیں گے۔ پانچ روزہ ان اجتماعات میں روزانہ "موجودہ مایوس کن حالات میں عالمی نظام خلافت کی نوید جانفزا"--- "خلافت کی اصل حقیقت"-- "عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی' دستوری اور معاشی و معاشرتی نظام" بالخصوص "عہد حاضر میں نظام کے قیام کا نبوی طریق کار" ایسے اہم موضوعات پر گفتگو ہو گی۔

تفصیل فون: ۵۸۵۴۰۳۶/۵۸۵۵۲۱۹ اور ---۲۱۶۵۸۶/ ۲۶۲۰۴۹۶ سے معلوم کی جا سکتی ہیں

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۴۳

یکم نومبر ۱۹۹۳ء

(19)

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۷ " "

آپس کی باتیں

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

ہمارا یہ پرچہ ذرا تاخیر سے لیکن عین اس وقت منظر عام پر آیا ہے جب لاہور میں ۲۹ سے ۳۱ اکتوبر تک تنظیم اسلامی پاکستان کا اٹھارواں سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے باہمی تعلق میں کوئی ابہام کوئی پیچیدگی موجود نہیں۔ تحریک خلافت کو اسی شجرۂ طیبہ کے برگ و بار سے تشبیہ دی جاسکتی ہے' تنظیم اسلامی جس کا تنا ہے۔ معاونین تحریک جس بابرکت نظام خلافت کے پرچارک بن کر کھڑے ہوئے ہیں' اسے قائم کرنے کی جدوجہد کے لئے آخرکار انہیں بھی تنظیم اسلامی کی صفوں میں ہی شامل ہونا ہوگا جس نے اقامت دین کی انقلابی جدوجہد کا طریق کار منہج انقلاب نبوی سے اخذ کیا ہے اور اقامت دین کیا ہے' خلافت علیٰ منہاج النبوہ کا قیام جس کا نمونہ خلافت راشدہ کی شکل میں پیش کر کے انسانیت پر حجت تمام کردی گئی!۔

اس موقع پر یہ خیال البتہ دامن گیر ہے کہ اللہ کے دین کا یہ کام تو چلتا ہی رہے گا جو تحریک خلافت پاکستان اور تنظیم اسلامی کے عنوان سے جاری ہے کیونکہ اللہ کے کلمے کو بلند ہو کر رہنا ہے اور یہ اس کا حق بھی ہے لیکن خود ہم نے اس کام میں اب تک اپنے جسم و جاں کی کتنی توانائی اور اس مال و متاع دنیا کا کتنا حصہ لگایا ہے جو ہمیں بطور امانت میسر آیا؟۔ گھڑیال کی ہر منادی عمر کی ایک اور گھڑی گھٹا دیتی ہے۔ یہ زندگی جسے ہم نے دنیا کی سب سے پائیدار حقیقت سمجھا ہے' دھوپ میں پڑی برف کی ایک سل کی مانند پگھل رہی ہے۔ آسمان سے تارے توڑ لانے کا حوصلہ جو آج ہمیں اپنے دلوں میں مچلتا محسوس ہوتا ہے' رفتہ رفتہ ماند پڑ جائے گا اور ایک دن ہم اسے یاد کرتے ہوں گے' یعنی یہی کہ رفت' گیا اور بود' تھا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیوں کو اقامت دین کی جدوجہد میں لگا کر نجات اخروی اور رضائے رب کے حصول میں کوشاں ہیں۔ اے اللہ! ہمیں انہی میں سے بنا۔

"ندائے خلافت" کے زیر نظر شمارے کا سب سے قیمتی حصہ محترم امیر تنظیم کے تازہ ترین خطاب جمعہ کا سیاسی حصہ ہے جس کے مطالعہ سے قارئین کو ایک عجیب سا احساس یہ ہوگا کہ الیکشن ۹۳ء کے جن نتائج پر اہل صحافت اور دانشوروں نے رد عمل کی ایک قیامت کھڑی کر رکھی ہے' ان سے کیا اس رسانیت کے ساتھ سیدھا سادا اور سمجھ میں آجانے والا آسان تاثر قبول کرنا بھی ممکن تھا!۔ واقعہ یہ ہے ہم سمیت ہمارے قارئین کی اکثریت بھی کسی نہ کسی درجے میں انتخابی بخار میں مبتلا تھی ورنہ لوگوں پر تو سرسامی کیفیت طاری رہی ہے جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بینش نورانی اور دانش برہانی سے نوازا ہے جس کا فیض ہی آدمی کو جذبات ہیجانی اور انداز ہذیانی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

متذکرہ خطاب جمعہ سے پہلے ہمارے رفیق کار' نثار احمد ملک انتخابات کے بعض نتائج پر اپنے احساسات کو قرطاس پر منتقل کر چکے تھے۔ ان کی تحریر کو آپ تنظیم اسلامی کے سوچنے سمجھنے والے رفقاء کی اس فکرمندی کی نمائندگی سمجھ کر پڑھیے جو امیر تنظیم کے خطاب سے پہلے انہیں لاحق تھی۔ عبدالکریم عابد صاحب کا تجزیہ اس بار غائب ہے۔ انہوں نے انہی دنوں آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے جو بحمد للہ کامیاب رہا۔ ان شاءاللہ اگلے شمارے میں قارئین کی ان سے بھی ملاقات ہوگی۔ OO

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۷۰-۱۷۱)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل فرمائی تو کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس طریقے کی جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے'

(کہ جب ان مشرکین کو اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ بے بنیاد مشرکانہ رسوم و اوہام کو چھوڑ کر اللہ کی کتاب کی پیروی کریں جو اللہ کی اصل شریعت سے آگاہ کرنے کے لئے ان پر نازل کی جارہی ہے تو وہ نہایت متکبرانہ انداز میں یہ جہالت آمیز جواب دیتے ہیں کہ ہم تو بدستور اپنے باپ دادا کے طریقے پر جمے رہیں گے۔ جہالت کا یہ انداز آج سے چودہ سو برس پہلے تو تھا ہی' آج بھی اس کے مظاہر عام ہیں۔ کسی بات کی صحت کو جانچنے اور پرکھنے کے جو معیارات ہیں انہیں نظر انداز کر کے محض اس بات پر اپنے موقف کو استوار کرنا کہ یہ ہمارے آباء و اجداد کا طریقہ ہے اور یہ رسم تو ہمارے باپ دادا کے دور سے چلتی آرہی ہے' جتنا آج سے چودہ سو سال قبل غلط تھا اتنا ہی آج بھی قابل مذمت ہے!)

کیا اس صورت میں بھی جبکہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے رہے ہوں نہ راہ ہدایت پر گامزن رہے ہوں○

(کیا اگر یہ بات بالکل واضح طور پر نظر آتی ہو کہ ان کے باپ دادا نے نہ تو ان معاملات میں عقل کو استعمال کیا اور نہ ہی اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو اختیار کیا بلکہ ان ہی کی طرح بے سمجھے بوجھے اپنے آباء و اجداد کی ڈگر پر چلتے رہے اور عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر شیطان کی پیروی میں نت نئی بدعات و رسوم ایجاد کرتے رہے' تب بھی یہ اپنے باپ دادا کے طریقے کی پیروی پر مصر رہیں گے؟..... اس ضمن میں ایک مفسر نے کیا خوب لکھا ہے کہ "قرآن کے اس سوال کے انداز سے یہ بات نکلتی ہے کہ مجرد یہ چیز کہ ایک بات باپ دادا سے چلی آرہی ہے اس کی صحت و صداقت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر اس کو رکھ کر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ بات اگر مجرد عقل اور رائے سے تعلق رکھنے والی ہے تو وہ عقل کے میزان پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ دین سے تعلق رکھنے والی ہے تو اس کی کوئی مضبوط اور قابل اعتماد سند ہے یا نہیں؟ گویا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ قرآن ایک طرف تو مجرد تقلید پر اعتماد کرنے کے بجائے تحقیق اور تنقید کے لئے برابر آنکھیں کھولے رکھنے کی دعوت دیتا ہے' دوسری طرف وہ ماضی کے ورثے کو احترام کی نگاہ سے دیکھنے کی بھی ہدایت کرتا ہے اور بغیر تحقیق و تنقید اس سے دستبردار ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔")

اور ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایسی چیزوں کو جو کچھ نہ سنتی ہوں سوائے پکارنے اور چلانے کے' یہ بہرے گونگے اندھے ہیں' پس یہ سمجھ نہیں سکتے○

(کہ جو لوگ عقل و بصیرت سے کام لینے کے بجائے محض اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید پر اڑ گئے ہوں وہ ان بھیڑ بکریوں اور چوپایوں کی مانند ہیں جو ہوش و خرد سے بالکل عاری اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ ان کے کانوں تک چرواہے کی آواز پہنچتی تو ضرور ہے لیکن ان کے کانوں سے جا ٹکرانے والی ہر آواز ان کے نزدیک محض شور و غل کی حیثیت رکھتی ہے' ان آوازوں کو سمجھ کر ان سے مفہوم اخذ کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے یہ لوگ بہرے اور گونگے ہی نہیں اندھے بھی ہیں۔ کفر و شرک پر اڑ جانے کے باعث ان کی تمام عقلی و فکری اور اخلاقی و روحانی استعدادات سلب ہو چکی ہیں' حق کو پہچاننا اور قبول کرنا ان کے لئے اب ہرگز ممکن نہیں رہا!)

الیکشن ۹۳ء کا نتیجہ ایک لمحہ فکریہ ہے

پیپلزپارٹی نے نظریات سے ناطہ توڑا' فیوڈل سیاست سے جوڑا

سیکولرزم مذہبی لبادہ اتار کر اب عریاں ہو جائے گا

مسلم لیگ کے استحکام میں جمہوری عمل کی ضمانت ہے

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ کا سیاسی حصہ

ڈھائی ماہ ملک سے غیر حاضر رہنے کے بعد جس میں سے بیشتر وقت انہوں نے امریکہ اور کم تر کینیڈا میں مسلمانوں کو قرآنی دعوت پہنچانے پر لگایا تھا' امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے لاہور کی مسجد دارالسلام میں جمعہ ۲۲/اکتوبر کو پہلی بار خطاب فرمایا۔ موضوع ظاہر ہے کہ الیکشن ۹۳ء کو ہی بننا تھا جس کے نتائج بہت فکر انگیز ثابت ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کے اس ہفتہ وار اجتماع عام کی اصل غرض و غائت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے تذکیر بالقرآن کے لئے سورۃ آل عمران آیات مبارکہ ۱۳۰ تا ۱۴۳ کی تلاوت کی۔ اس مقام پر اولاً بڑھتے چڑھتے سود کی مذمت ہے جو فی الحقیقت اس بات کی تمہید تھی کہ ربوٰ کی ہر صورت کو آخر کار حرام قرار دیا جانا تھا اور پھر ان زخموں پر مرہم رکھنے کے بعد جو احد کی جنگ میں مسلمانوں کے دلوں اور جسموں پر لگے' یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ اگر ایمان سے اپنے سینوں کو منور رکھو گے تو سربلندی تمہارا ہی حق ہے۔ اسی سیاق و سباق میں ڈاکٹر صاحب نے الیکشن ۹۳ء کے نتائج پر گفتگو کی جسے ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے--------ادارہ

میں حال ہی میں شمالی امریکہ کے ایک طویل سفر سے واپس آیا ہوں اور اتفاق سے سال رواں میں یہ میرا دوسرا سفر تھا۔ پچھلی دفعہ واپس آیا تھا تو عید الفطر کے روز جلسہ عام منعقد کیا تھا۔ جس کے لئے ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر کا پہلے سے اعلان تھا جس میں میں نے عالمی تناظر میں گفتگو کی تھی کہ دنیا کے حالات کیا ہیں' عالمی ملت اسلامیہ اس وقت کس جگہ کھڑی ہے' عالم انسانیت بحیثیت مجموعی کدھر جا رہا ہے' موجودہ امت مسلمہ اور سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود کا کیا انجام ہونے والا ہے؟۔ یہ ساری گفتگو وسیع تر عالمی تناظر میں تھی اگرچہ اس کی بھی تان اسی پر ٹوٹی تھی کہ ان حالات میں مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری کیا ہے؟۔ اس خطاب کے مختلف مباحث روزنامہ نوائے وقت کے کالموں میں دہرائے گئے۔ آج اس کا تذکرہ اس لئے کر رہا ہوں کہ اس وقت عالمی سطح پر ملت اسلامیہ کی جو کیفیت ہے اور جو حالات اب پیش آنے والے ہیں جن کی پیشنگوئیاں احادیث صحیحہ میں موجود ہیں' ان کا ایک شعور عام ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اب ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔

اس خطہ ارضی کی اہمیت

اس بار سفر سے واپسی پر جو میں گفتگو کر رہا ہوں وہ خاص پاکستان سے متعلق ہے۔ چونکہ یہ میرا مستقل نقطہ نظر ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر نظام خلافت علی منہاج النبوہ کے قیام کے سلسلے میں اس خطے کو خاص کردار ادا کرنا ہے۔ جیسے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ یہ 'تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی۔ تو یہ کوئی تجویز نہیں بلکہ پیشنگوئی تھی۔ اس وقت تک قرار داد پاکستان معرض وجود میں نہیں آئی تھی' وہ تو کہیں دس گیارہ سال بعد ۱۹۴۰ء میں سامنے آئی' گویا ان کے انتقال کے بھی کئی برس بعد۔ بہرحال انہوں نے کہا تھا کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ تو اگرچہ میری وہ حیثیت ہے نہ وہ مقام لیکن میں بھی اپنے قلب و ذہن میں اسی طرح کا احساس پاتا ہوں کہ یہ اس علاقے کی تقدیر ہے کہ عالمی خلافت اسلامیہ کا آغاز یہاں سے ہو گا۔ اگرچہ یہ مجھے علم نہیں کہ ایسا کب ہو گا (ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون) بلکہ آخری اقساط میں' میں نے یہ بھی بیان کر دیا تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معجزانہ طور پر قوم یونس کی طرح اجتماعی توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں کوئی شدید مار پڑے اور وہ ۱۹۷۱ء کی مار کئی سو گناہ زیادہ ہو۔ اور ہمارا بھرکس نکال کر پھر اللہ تعالیٰ جس سے ہمیں پٹوائے اسی کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے۔ بہرصورت اسلام کا احیاء ہو گا یہیں سے' ہمارے ہاتھوں ہو یا ہماری کسی دشمن قوم کے ہاتھوں ہو

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ تعالیٰ نے پہلے تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل کرائے تھے اور پھر انہی تاتاریوں کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دیا تھا۔ چار سو برس تک خلافت بھی انہی کے پاس رہی۔ ترکان تیموری' ترکان صفوی' ترکان سلجوقی' ترکان عثمانی سب ان تاتاریوں ہی کی مختلف شاخوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسا اب بھی ہو سکتا ہے۔ یہ منحصر ہے ہمارے طرز عمل پر' لیکن مجھے یقین ہے کہ بالاخر اسلام کا احیاء ہو گا یہیں سے۔

تازہ انتخابی نتائج: الیکشن ۷۰ء اور ۹۳ء کا موازنہ

ہمارے ملک میں جو انتخابات حال ہی میں منعقد ہوئے ہیں اخبارات میں کہ ان کی مشابہت ۷۰ء کے انتخابات سے بار بار پیش کی جارہی ہے اور فی الواقع مشابہت موجود بھی ہے۔ چنانچہ ایک نمایاں بات تو یہ ہے کہ ۷۰ء کے انتخابات بھی کافی حد تک غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوئے تھے اگرچہ نتائج ان کے بہت برے نکلے اور اسی لئے بہت سے لوگوں نے بعد میں انتخابات کے خلاف دلیل ہی اس بات کو بنالیا تھا کہ وہ انتخابات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوئے تھے تو ملک دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔ اب تم پھر انتخابات کی بات کر رہے ہو تو گویا تم ملک کو مزید ٹکڑے کرانا چاہتے ہو۔ اس وقت میں ان کی اس بات کے جواب میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بہرحال وہ انتخابات بھی بہت حد تک منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تھے اور ان انتخابات کے بارے میں بھی پوری دنیا نے مانا ہے کہ غیر جانبدارانہ تھے۔ ابتداء میں نواز شریف صاحب اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے شکوک و شبہات کا اظہار ہوا لیکن بعد میں انہوں نے بھی مان لیا کہ صاف اور شفاف انتخابات تھے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ جو لوگ بھی اس کے ذمہ دار تھے وہ سیاسی لوگ نہیں تھے۔ اور یہ انتخابات کو شک و شبہ سے بالا رکھنے کے لئے شرط لازم ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ صورت پیدا ہوگئی۔

الغرض 'اس پہلو سے بھی ان دونوں انتخابات میں مشابہت موجود ہے البتہ تین دیگر مشابہتیں بھی ہیں لیکن ان تینوں میں کچھ اختلاف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا واضح شعور عام ہو اور مزید برآں یہ بات ریکارڈ پر آجائے۔ پہلی یہ کہ اس انتخاب کے نتیجے میں پہلی مرتبہ ذوالفقار علی بھٹو کی زیر قیادت پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بنی تھی اس مرتبہ بھی پیپلزپارٹی کی حکومت ان کی بیٹی بے نظیر نے بنائی ہے۔ یہ ایک اہم مشابہت ہے لیکن اس میں ایک بہت نمایاں فرق بھی ہے اور اس ملک میں جو سیاسی اور سماجی روئیں چل رہی ہیں ان کے شعور و ادراک کے لئے اس فرق و امتیاز کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ ۷۰ء میں پیپلزپارٹی اٹھی تھی ایک نظریاتی جماعت کے طور پر اور اس نے سوشلزم کا نعرہ لگایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ مخلص تھے یا نہیں' اس کو چھوڑ دیجئے لیکن نعرہ بہرحال بڑے زور و شور سے لگا تھا۔ پولارائزیشن بھی اس وقت دائیں بازو اور بائیں بازو کی ہوئی تھی۔ دائیں بازو والے وہ تھے جو اسلام کا نعرہ بھی لگاتے تھے اور ساتھ ہی پاکستان کی سالمیت اور یکجہتی کے علمبردار تھے اور بائیں بازو والوں نے سوشلزم کا نعرہ بلند کیا تھا اور ان کے ساتھ وہ لوگ تھے جنہیں ہم علیحدگی پسند یا علاقائیت پرست کہتے ہیں۔ لیکن یہ بڑی واضح پولارائزیشن اس وقت ہوئی تھی۔ آج ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سوشلزم تو اپنی جنم بھومی میں بھی دم توڑ چکا ہے اور بے نظیر بھٹو نے بھی کبھی اس کا نام نہیں لیا۔ چنانچہ اس وقت جو انتخابات ہوئے ہیں وہ خالص سیاسی جوڑ توڑ ہے اور وہ ڈیرہ شاہی کا کھیل ہے' اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہی وڈیرے اور جاگیردار ادھر بھی ہیں اور ادھر بھی۔ اگر چچا ادھر آگیا ہے تو خاندانی چپقلش چلنے کی صورت میں بھتیجا دوسری طرف کا رخ کرلے گا۔ یہ تو دراصل نتیجہ ہے وڈیروں کی مقامی خاندانی چپقلش کا۔ اگر ایک ادھر آگیا ہے تو دوسرا لازماً ادھر جائے گا' اس میں کوئی نظریاتی بات نہیں ہے۔ موجودہ اسمبلیوں کے اراکین کی عظیم اکثریت کی کوئی نظریاتی وابستگی نہیں ہے۔ سوائے اپنے مفادات کے تحفظ اور اپنے مسائل کے خاطر خواہ حل کے ان کا کوئی منشور نہیں بلکہ زمینداروں اور وڈیروں کے لئے تو موجودہ سیاست ایک کھیل کی حیثیت ہے۔ ان کی زمینیں سونا اگلتی ہیں اور اس کے لئے غریب کسان کا پسینہ ان کے اندر جذب ہوتا ہے۔ ان کے خون پسینے کی کمائی کے بل پر زمینداروں کے لئے عیش ہے۔ اور عیش کرنے والوں کو کوئی نہ کوئی کھیل بھی چاہئے' وقت گزاری کے لئے کوئی مشغلہ چاہئے۔ چنانچہ ضرورت سیاست کے ذریعے پوری ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس وقت دونوں بڑی جماعتوں کا حال اس اعتبار سے یکساں ہے لہٰذا پرانی پیپلزپارٹی اور آج کی پیپلزپارٹی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

> میرا مستقل نقطۂ نظر ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر نظام خلافت علیٰ منہاج النبوہ کے قیام کے سلسلے میں اس خطے کو خاص کردار ادا کرنا ہے۔ جیسے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی۔

اس بار بھی واضح تقسیم ہے

دوسری مشابہت یہ ہے۔ کہ اس الیکشن میں بھی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ایک دوسرے کے مد مقابل آگئے تھے۔ عوامی لیگ اور مجیب الرحمٰن ادھر اور پیپلز پارٹی اور ذوالفقار علی بھٹو ادھر۔ "ادھر تم ادھر ہم"۔ اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت یہ بات کس انداز میں کہی گئی تھی' اخبارات میں آئی تو صحیح آئی یا غلط لیکن اس معنی میں تو بات صحیح تھی کہ ادھر ایک جماعت آئی تھی فیصلہ کن اکثریت میں اور ادھر دوسری جماعت آئی تھی تقریباً فیصلہ کن اکثریت میں اور ظاہر بات ہے کہ ملک کے دولخت ہونے کی بنیاد ان انتخابات کے نتیجے ہی میں پڑگئی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہوا ہے۔ مشابہت کا معاملہ عجیب سی صورت اختیار کر گیا ہے۔ آپ نے کسی اخبار میں پڑھا ہوگا کہ دریائے سندھ نے ایک لکیر کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس کے مشرق میں پنجاب اور سندھ پر پیپلزپارٹی کا غلبہ ہے۔ سندھ میں تو بلاشبہ خالص اپنی اکثریت کے بل بوتے پر' پنجاب میں البتہ کچھ گدلا پن موجود ہے' لیکن بہرحال پیپلزپارٹی کا غلبہ ہے۔ جبکہ دریائے سندھ کے مغرب میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ سرحد میں نواز شریف صاحب کے ساتھی اور آزاد ارکان کی حکومت بنی ہے۔ بلوچستان میں بھی بڑی گڈمڈ سی حکومت وجود میں آئی ہے۔ بہرحال پیپلزپارٹی کا اس میں کوئی اہم عمل دخل نہیں۔ گویا دریائے سندھ کے دو کنارے "ایک ندی کے دو کنارے ملنے سے مجبور" کے مصداق بن گئے ہیں۔ لہٰذا اندیشہ ہے کہ یہ پولارائزیشن شدت اختیار نہ کر جائے۔ اس میں کالاباغ ڈیم کا مسئلہ ایک بہت بڑا ٹیسٹ بنے گا اور اس سے معلوم ہوگا کہ کون کتنا مخلص ہے اور کون پاکستان کے مسائل کو واقعتاً حل کرنا چاہتا ہے۔ اور کیا اپنی سیاسی گروہ بندیوں کو پیش نظر رکھتا ہے یا پاکستان کے مفاد' اس کے مستقبل اور بہبود کو پیش نظر رکھتا ہے۔ گویا اس کی بنیاد پر ایک پولارائزیشن ہو سکتی ہے تاہم کسی بڑے حادثے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ مشرقی پاکستان کے معاملے میں زمنی

فاصلے اور بعد کا مسئلہ فیصلہ کن تھا۔ ہزار میل کا فاصلہ اور درمیان میں دشمنوں کا علاقہ تھا' ایسا معاملہ یہاں نہیں ہے۔ یہاں پر مرکزی حکومت اور اس کا کنٹرول بہرحال موجود رہے گا۔

دونوں الیکشن میں نے دور سے دیکھے

ایک چھوٹی سی مشابہت میرے لئے ذاتی اعتبار سے ہے۔ اس الیکشن کے موقع پر بھی میں اس ملک سے "مفرور" ہوگیا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر لفظ مفرور اختیار کیا ہے' اس مرتبہ بھی میں غیر حاضر رہا ہوں لیکن نوٹ کریں کہ اس مشابہت میں بھی ایک فرق ہے۔ اس وقت مجھ پر شدید دباؤ پڑا تھا جمعیت علماء اسلام کی طرف سے کہ میں ان کے ٹکٹ پر الیکشن لڑوں۔ مولانا اجمل خاں صاحب اور ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب دو تین بار میرے پاس کرشن نگر میں آئے جہاں میں پریکٹس کرتا تھا۔ وہاں جماعت اسلامی کے حلقے کے ایک اہم سرپرست تھے' حاجی محمد لطیف صاحب۔ انہوں نے جب ان حضرات کو میرے پاس آتے جاتے دیکھا تو برہم ہو کر مجھ سے پوچھا کہ یہ لوگ آپ کے پاس کیوں آرہے ہیں۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ حضرات کسی اور کے لئے میری تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ ایسے ہی مخلص ہیں تو کیوں نہیں آپ کو کھڑا کردیتے!۔ میں ہنس پڑا کہ حاجی صاحب' وہ تو اسی لئے آ رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ جماعت اسلامی آپ کے مقابلے پر کسی کو کھڑا نہیں کرے گی بلکہ آپ کی حمایت کرے گی۔ ان کی اس وقت یہ حیثیت اس لئے بن گئی تھی کہ ان کے ایک صاحبزادے ڈیموکریٹک یوتھ فورس میں بہت نمایاں تھے۔ وہ زمانہ تھا ۱۹۷۰ء کا جب [illegible] تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے مولانا مودودی کے پرسنل گارڈ کی حیثیت سے اس جلوس میں ان کے بالکل ساتھ کھڑے ہوئے تھے اور اس اعتبار سے ان کا اثر و نفوذ جماعت کے حلقے میں بہت زیادہ تھا۔

میں نے اس وقت محسوس کیا کہ پانی خطرے کے نشان تک پہنچ گیا ہے اب یہاں سے راہ فرار اختیار کئے بغیر بچاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے۔ بلکہ میں نے اس واقعے کے ضمن میں اپنی کسی تحریر میں ایک لطیفہ بھی لکھا تھا جو آج آپ کو بھی سنا دیتا ہوں۔ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کا لطیفہ ہے کہ اس کے پاس کوئی شخص آیا' اس نے کوئی رقم رشوت کے طور پر پیش کی تو ڈپٹی کمشنر نے ڈانٹ پلائی کہ قطعاً نہیں' غلط کام ہے۔ اس نے کچھ مقدار بڑھائی کہ دو لاکھ نہیں تو تین لاکھ لے لیجئے۔ اس نے پھر ڈانٹ دیا اس پر اس نے رقم اور بڑھائی یعنی چار لاکھ کردی۔ پھر بھی اس نے اسی طریقے سے رد کردی۔ وہ جب لیکن وہ جب اور آگے بڑھا تو ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ فوراً دفع ہو جاؤ' اب ایک لمحے کے لئے بھی یہاں مت ٹھہرنا اس لئے کہ "تم میری قیمت کے بہت قریب پہنچ گئے ہو"۔ گویا مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم نے رقم کچھ اور بڑھادی تو شاید میں کھڑا نہ رہ سکوں۔ میں نے بھی اس وقت یہی محسوس کیا تھا کہ معاملہ شاید میری قیمت کے قریب آرہا ہے۔ میں نے جمعیت علماء اسلام والوں سے یہ کہا تھا کہ بھائی میں تو اسی اختلاف کی بنیاد پر جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا' میں سمجھتا ہوں کہ یہ بے کار کی مشق ہے' اب آپ مجھے کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میری ایک طبعی کمزوری ہے کہ میرے لئے بزرگوں کی بات ٹالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میرے لئے تو ان حضرات کی بات کو رد کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے لیکن اب جب بات یہاں تک پہنچی تو پھر میں نے کہا کہ اب ملک سے فرار ہی میں عافیت ہے چنانچہ چار مہینے میں ملک سے باہر رہا اور مدینہ منورہ میں پورا رمضان المبارک گزارا۔ پھر عید کے بعد الیکشن ہوئے تھے تو وہیں اس کے نتائج سنے۔ لہٰذا اس وقت تو میں واقعتاً مفرور تھا لیکن اس مرتبہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

اس سال میرا جو پہلا دورۂ امریکہ ہوا اس میں کچھ حالات ایسے دیکھنے میں آئے تھے کہ میں وہاں سے ہی طے کرکے آیا تھا کہ موسم گرما میں دوبارہ آؤں گا۔ وہ پوری صورتحال میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں' اور میری یہ تحریر "امریکہ میں مسلم فنڈا مینٹلزم کا فروغ" کے عنوان سے نوائے وقت میں چھپ بھی چکی ہے۔ لہٰذا میرا یہ سفر فرار والا نہیں تھا۔ ویسے اب چونکہ میرا موقف سب کو معلوم ہے کہ یہ شخص انتخابات کے کوچے کا مسافر نہیں ہے' ادھر اسے جانا ہی نہیں ہے لہٰذا مجھ پر کوئی دباؤ نہ تھا لیکن میں سمجھتا ہوں' اور اسی کے لئے میں نے یہ ساری بات بیان کی ہے' کہ میری یہاں سے غیر حاضری سے مجھے ذاتی طور پر یہ فائدہ پہنچا ہے کہ مجھ پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی کی شکست میں میرا بھی کوئی ماشہ تولہ ہاتھ ہے۔ چنانچہ یہ بات جو کہی جارہی ہے کہ فلاں فلاں دانشوروں نے قاضی حسین صاحب کو بانس پر چڑھا دیا' تو ایسی کوئی بات میرے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔ یا میں اس وقت کوئی اختلافی بیان دے دیتا تو اس کو بھی شمار کرلیا جاتا کہ میں بھی قاضی صاحب کی ناکامی کی ذمہ داری میں شریک ہوں۔ الحمدللہ کہ میں اس سے کلیتاً بری ہوں۔ اور میرا ان انتخابات میں کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف' کسی کے لئے مثبت یا کسی کے لئے منفی' کوئی کردار نہیں ہے۔ میں تو یہاں سے ۹/ اگست کو نکلا تھا لہٰذا جو کچھ بھی الیکشن کی اکھاڑ پچھاڑ ہوئی ہے' سب میری غیر حاضری میں ہوئی۔ اور میرا اس میں کوئی بھی مثبت یا منفی دخل نہیں ہے۔

انتخابات سے ہماری دلچسپی کا سبب

اب آخری تمہیدی بات یہ کہ انتخابات کے مسئلے سے ہماری دلچسپی ہے کیا؟۔ یہ بات میں نے بارہا بیان کی ہے اور آج پھر اسے اختصار سے دہرا رہا ہوں۔ یعنی یہ ہم نے الیکشن کی طرف جانا ہی نہیں کیونکہ ہمارا ہدف معین ہے۔ اور وہ صرف اسلام ہے' اور اسلام بھی بحیثیت مذہب نہیں بلکہ بحیثیت نظام حیات یعنی سیاسی سماجی و معاشی نظام کی حیثیت میں اور وہ چونکہ ہمارے نزدیک انقلاب کے بغیر نہیں آئے گا لہٰذا الیکشن میں حصہ لے کر اپنا وقت ضائع کرنا بے کار ہے' لہٰذا ہمارا اس کے ساتھ کوئی براہ واسطہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے دلچسپی کیوں ہے؟۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تجزیئے میں پاکستان کی تاسیس اور تکوین میں دو لازمی عوامل شامل ہیں' ایک یہ کہ اسلام کے نام پر تحریک چلی اور تھی دوسرے یہ کہ بالفعل انتخابات کے ذریعے سے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ ۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو فیصلہ کن اکثریت حاصل نہ ہوتی تو پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔ اور اسلام کے نام کا نعرہ نہ لگتا تو مسلمان جمع نہیں ہوسکتے تھے اور اس کے نتیجے میں الیکشن میں مسلم لیگ کو وہ شاندار کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ گویا یہ دونوں اس کے بنیادی عوامل ہیں' اسلام کا نعرہ اور بیلٹ۔ اب اس کا تجزیہ ہم یوں کرتے ہیں کہ پاکستان کا حقیقی معنی میں استحکام اور اس کا ایک باعزت اور باوقار وجود تو صرف اور صرف اسلام کے ذریعے ممکن ہے' کسی اور ذریعے سے ممکن ہی نہیں اور اسلام صرف انقلاب کے ذریعے سے آسکتا ہے' انتخابات کے ذریعے سے نہیں۔ البتہ اس کی زندگی کے تسلسل کے لئے انتخابی عمل یعنی سیاسی عمل کا جاری رہنا نہایت ضروری ہے۔ اس کی مثال میں ہمیشہ یہ دیتا رہا ہوں کہ کسی انسان کے زندہ رہنے کے تقاضے کچھ اور ہیں' اس کو غذا ملنی چاہئے' پانی ملنا چاہئے' ہوا ہونی چاہئے۔ تینوں میں سے

ایک چیز بھی بند کردی جائے گی تو وہ مرجائے گا' چاہے مسلمان ہو' چاہے سکھ ہو' چاہے پارسی ہو۔ البتہ کسی کے مسلمان ہونے کا تقاضا کچھ اور ہے۔ یعنی کوئی رتی ماشہ ایمان ہوگا تو وہ مسلمان بنے گا۔ دونوں تقاضے جدا ہیں انہیں آپس میں گڈمڈ نہ کریں۔ تو پاکستان کے باقی رہنے کے لئے انتخابی و سیاسی عمل کا تسلسل لازم ہے اس میں پہلی بار وقفہ پڑا تھا تو پاکستان دولخت ہوگیا تھا۔ البتہ اس کے مسلمان بننے کے لئے' یعنی اس کے حقیقی اسلامی ریاست بننے کے لئے انقلاب لازم ہے' اس ضمن میں انتخابات سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

پے در پے انتخابات ضروری تھے

ہمارا یہ موقف مختلف مواقع پر سامنے آچکا ہے' اسی کو میں نے اب پھر دھرا دیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید یہ بھی نوٹ کرلیجئے کہ اصل میں جو ہمارے یہاں سیاسی اور انتخابی عمل میں مارشل لاء کی وجہ سے جو طویل وقفے آتے رہے' ملک کو سب سے زیادہ نقصان انہی سے پہنچا ہے۔ پہلا مارشل لاء ایوب خان کا آیا تو اس کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا تھا۔ اس کے بعد طویل ترین مارشل لاء ضیاء الحق صاحب کا آیا' اس نے جو اس عمل کو روکا اور جس طور سے روکا اور جتنے طویل عرصے تک روکا اس کے نتیجے میں ہم قومی اور سیاسی اعتبار سے بونے بن کر رہ گئے ہیں' یا جیسے کسی بچے کی نشوونما رک جاتی ہے کہ عمر تو بڑھ رہی ہے لیکن ذہن اور جسم نہیں بڑھ رہا۔ قومی سطح پر ہماری حیثیت یہی ہوگئی تھی اسی کا یہ مظہر ہے کہ ہمارے ہاں نہ سیاسی ادارے بنے اور نہ ہی سیاسی جماعتوں کو استحکام حاصل ہوا۔ یہ تمام چیزیں دراصل اسی کا ثمرہ ہیں۔ اور یہ بھی میں نے ۲۳ جولائی کو عرض کیا تھا اصل میں یہ بار بار کے انتخابات گیارہ برس کا قرض ہے جو ہم ادا کر رہے ہیں۔ وہ عمل جو رکا تھا' بہاؤ میں جو رکاوٹ رہی' جو جمود رہا' دراصل یہ اسی کی تلافی ہے کہ انتخابات بار بار ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے کے اب جلدی نہ ہوں لیکن ابھی کوئی گارنٹی نہیں اس لئے کہ ابھی تک سیاسی گاڑی پورے طور پر پٹری پر چڑھی نہیں ہے گو بعض اعتبارات سے حالات یقیناً بہتر ہوئے ہیں۔

ملک سیکولرزم کی طرف جائے گا

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ حالیہ انتخابات کے بارے میں میرے دو خیالات' دو نظریات یا دو پیشگوئیاں تو صد فی صد درست ثابت ہوئی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو نظریئے کسی درجے میں غلط بھی ثابت ہوئے۔ میں ان باتوں کے ساتھ جو صحیح ثابت ہوئی ہیں' ان باتوں کا بھی تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو صحیح ثابت نہیں ہوئیں۔ اولاً میں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ اب ہمارا ملک کھلم کھلا سیکولرزم کے راستے پر چلے گا۔ چنانچہ میرا ایک مضمون ہے جو نوائے وقت میں ۱۴ اور ۱۵ ستمبر ۹۲ء کو دو اقساط میں شائع ہوا' میں اس کا ایک جملہ نوٹ کرکے لایا ہوں اور وہ یہ کہ "مستقبل قریب میں پاکستان سطحی مذہبیت کا لبادہ اتار کر عریاں سیکولرزم کی راہ اختیار کرلے گا" ہماری یہ مذہبیت سطحی مذہبیت ہی تھی۔ صرف اوپر کا لباس اور ٹیپ ٹاپ تھی' صرف سطح کا رنگ روغن تھا ورنہ حقیقی دین نہ ہمارے افراد میں موجود ہے نہ قوم میں۔ ہماری قوم کا مجموعی مزاج اور ہمارے افراد کی عظیم اکثریت کا مزاج سیکولر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ اور یہ کڑوی بات میں بڑے تلخ لہجے میں کر رہا ہوں' ہمارے ایک بزرگ ساتھی ہیں بہت ہنس مکھ قسم کے' شگفتہ مزاج۔ وہ نہایت شیریں الفاظ میں اسی تلخ حقیقت کو یوں بیان کیا کرتے ہیں کہ "اللہ حق' رسول حق' قرآن حق لیکن پیٹ برحق!" جب پیٹ کا معاملہ آئیگا' یعنی پیسے کا معاملہ آئے گا تو نہ اللہ کی کوئی حیثیت' نہ قرآن کی کوئی حیثیت' نہ رسول کی کوئی حیثیت' اور یہ ہم سب کا حال ہے کم و بیش سب کا' الا ماشاء اللہ! قرآن حکیم کے الفاظ "قلیلا ماھم" کے مصداق بہت کم ہی لوگ اس قاعدہ کلیہ سے مستثناء ہیں!

اس لئے سو در حقیقت تحریک پاکستان کا مذہبی نعرہ بھی بس ایک نعرہ ہی تھا جس میں حقیقت اور واقعیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ البتہ اس کی بھی نفی نہ کیجئے کہ اگر وہ نعرہ نہ لگتا مسلمان جمع ہی نہ ہوتے۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک عظیم حقیقت ہے' ہے۔ لیکن اس کی نفی بھی نہ کیجئے کہ یہ بس کہ ایک نعرہ ہی تھا جس کی حقیقت کوئی نہیں تھی۔ اس لئے کہ اگر حقیقت ہوتی تو سب سے زیادہ گاڑھی شکل میں تحریک پاکستان کی قیادت میں نظر آنی چاہئے تھی۔ تحریک پاکستان کی کی قیادت باعمل اور شریعت پر کاربند مسلمانوں پر مشتمل نہیں تھی' گویا یہ مذہبی لوگ نہیں تھے۔ بعض علماء بھی اگرچہ تحریک پاکستان میں شامل تھے لیکن وہ معاونین تھے قائدین نہیں تھے' چاہے وہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہوں چاہے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہوں' چاہے پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوریؒ ہوں' چاہے پیر مانکیؒ ہوں اور چاہے مولانا عبدالحامد بدایونیؒ ہوں' چاہے مولانا داؤد غزنویؒ ان کی حیثیت قائدین کی ہرگز نہ تھی بلکہ معاونین کی تھی۔ البتہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ صداقت' امانت' دیانت اور قول و فعل میں یکسانیت بالکل دوسری چیزیں ہیں جبکہ مذہبی انسان جو شریعت پر عمل پیرا ہو' بالکل دوسری شے ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب تک یہ دونوں چیزیں یکجا نہیں ہوں گی ہمارا کام نہیں بنے گا۔

مذہبی جماعتوں کا منفی کارنامہ

بہرحال میری پہلی بات اب صد فی صد سچ ہو کر سامنے آچکی ہے۔ مذہبی جماعتوں کے بارے میں نے اپنے اسی کالم میں عرض کیا تھا کہ جن مذہبی جماعتوں نے سیاست میں حصہ لیا' ان کا یہ دعوی ہے اور بہت حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ وہ اب تک ایک کریڈٹ لیتی رہی ہیں کہ چاہے ہم یہاں اسلام نہیں لاسکے لیکن ہم نے سیکولرزم کے قدم بھی یہاں جمنے نہیں دیئے۔ یہ کافی حد تک صحیح تھا۔ لیکن ملکی اور قومی سطح پر اس سے جمود کے سوا حاصل کیا ہوا کہ نہ ادھر نہ ادھر! اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا' نقصان ہی پہنچا ہے۔ حرکت میں برکت ہوتی ہے چاہے ادھر ہو چاہے ادھر۔ ادھر جاتے تو کفر میں بھی کوئی نہ کوئی بھلائی دنیوی اعتبار سے تو ہو جاتی اور اگرچہ ہماری اصل بھلائی تو تھی دین کی طرف چلنے میں' اگرفی الواقع چلتے جبکہ چلے نہیں۔ نہ دنیا کی بھلائی ملی نہ آخرت کی۔ بہرحال اب تک ان کا یہ کریڈٹ صحیح تھا لیکن اب اس کا پردہ بھی چاک ہوچکا ہے۔ معلوم ہوا کہ اب تک ہم نے جو کچھ کیا اس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے۔ "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا" اب کھلم کھلا سیکولرزم کی بات ہو رہی ہے اور یہ صرف پیپلزپارٹی کی بات نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ بھی زبان حال سے اعلان کر رہی ہے کہ "میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو" چنانچہ نواز شریف صاحب نے صاف کہا کہ میں "فنڈامنٹلسٹ" نہیں ہوں' میری توبہ! میں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ یہ سود کا معاملہ ہوگا کسی دماغ کا خلل! گھبراؤ نہیں' ہم تو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل میں جا رہے ہیں!

معلوم ہوا کہ ہیں تو سب "اسی عطار کے لونڈے کے" مریض! گویا ادھر بھی سیکولرزم اور ادھر بھی سیکولرزم۔ فیصلہ کن انداز میں اللہ کے دین پر چلنا تو یہاں کسی کے بھی پیش نظر نہیں ہے اور اس اعتبار سے دونوں بڑے سیاست گروپوں میں کوئی

لمبا چوڑا فرق نہیں ہے مزید برآں اب جو حکومت بنی ہے وہ اتنی غیر مستحکم نہیں ہے جتنی پہلے ہوتی تھی۔ اس میں جن عناصر کو فیصلہ کن غلبہ حاصل ہے ان میں اقلیتیں بھی ہیں جو ہر حال میں سیکولرزم ہی چاہتی ہیں۔ اس پر مستزاد بے نظیر صاحبہ کے واضح بیانات آتے رہے ہیں اور شائد اب تو جداگانہ انتخابات کو بھی ترک کر دیا جائے' جس کی بنیاد پر مسلم لیگ نے مسلم قومی جدوجہد کا آغاز کیا تھا' جس کے منطقی نتیجے کے طور پر ہندوستان تقسیم ہوا تھا اور پاکستان وجود میں آیا تھا!

ملکی سیاست میں استحکام آیا ہے

دوسری بات جو میں نے عرض کی تھی' وہ یہ تھی کہ اگرچہ ان انتخابات کے نتیجے میں کوئی بڑی تبدیلی تو نہیں آئے گی' وہ تو انتخابات کے ذریعے آنی ممکن ہی نہیں' لیکن ملکی سیاست کی گاڑی قدرے بہتر انداز میں پٹڑی پر چلے گی۔ گویا یہ میری دوسری پیشنگوئی تھی کہ ان پے بہ پے انتخابات کے نتیجے میں جو قرض رفتہ رفتہ ادا ہو رہا تھا حالیہ انتخابات کے نتیجے میں اس کی ایک مزید اور اہم قسط ادا ہو جائے گی۔ تو ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ فی الواقع ایسا ہو گیا ہے۔ اگرچہ ابھی اس میں بہتری کی خاصی گنجائش ہے۔ تاہم امید ہے کہ اب پارٹیوں سے وابستگی قوی تر ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اب پارٹی سے وفاداری اتنی کمزور نہیں رہی' اس میں اب اتنا عدم استحکام نہیں ہے جو پہلے تھا اور جماعتی وابستگیاں کسی نہ کسی درجے میں مستحکم ہو رہی ہیں۔ پھر یہ کہ تازہ مینڈیٹ کے ساتھ جو حکومت آئے گی وہ کسی قدر اعتماد کے ساتھ گاڑی کو آگے لے کر چلے گی۔ ایک طرف کو چلے یا دوسری طرف کو' چلے گی تو سہی ورنہ جمود تو زیادہ ہی مہلک اور تباہ کن ثابت ہو رہا تھا۔ تاہم اس معاملے میں بھی اصلاح کی ابھی گنجائش موجود ہے کیونکہ تازہ الیکشن کے بعد بھی آزاد امیدواروں اور چھوٹے گروہوں کی اہمیت بہت حد تک برقرار ہے جو نہیں ہونی چاہئے تھی۔ کاش کہ دونوں پارٹیاں طے کر لیتیں کہ کوئی سودے بازی بہرحال نہیں کی جائے گی لیکن سودے بازی ہوئی اور ڈٹ کر ہوئی ہے اور اس کی سب سے بھونڈی مثال صوبہ سرحد میں سامنے آئی کہ وہاں جتنے آزاد امیدوار تھے سب کے سب وزیر بنا دیئے گئے۔ یہ دراصل انتخابی سیاست اور جمہوریت کے ساتھ سب سے بھونڈا مذاق ہے اور پارٹی وابستگی کی نفی ہے۔ ان کو یہ اہمیت دے دینا گویا اس پورے نظام کی جڑوں کو اکھاڑ دینا ہے۔ اور یہ کام دونوں طرف سے ہوا ہے' اب کوئی ہار گیا اور کوئی جیت گیا' اس سے مجھے بحث نہیں ہے۔

اس ضمن میں میرے نزدیک ایک پیاری تجویز ڈاکٹر محبوب الحق صاحب کی طرف سے میری عدم موجودگی میں سامنے آئی تھی۔ میں اس کی تائید کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر آپ ملکی معاملات میں بہتری چاہتے ہیں تو ایک تو فلور کراسنگ کا قانون سختی سے نافذ کیا جائے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں کامیابی حاصل کرتا ہے اور پھر اس پارٹی کو چھوڑ دیتا ہے تو اپنی سیٹ سے محروم ہو جائے اور چاہے تو دوبارہ الیکشن لڑ کر نئے مینڈیٹ کے ساتھ اسمبلی میں واپس آئے اس کے بغیر تو وہ اسلامی سیاست تو کیا مروجہ سیاست کے تقاضے پر بھی پورے نہیں ہوتے۔ لیکن ڈاکٹر محبوب الحق صاحب نے جو ایک نئی بات کہی ہے اور فلور کراسنگ پر پابندی کے عام اصول پر جو اضافہ کیا ہے وہ بہت اہم ہے۔ یعنی یہ کہ جو آزاد امیدوار اسمبلی میں پہنچا ہو وہ اگر ایک مرتبہ کسی پارٹی کے ساتھ منسلک ہو جائے تو وہ اس پارٹی کا رکن شمار کیا جائے اور اس کے ڈسپلن میں آ جائے۔ اس سے ممبران

> اب کھلم کھلا سیکولرزم کی بات ہو رہی ہے اور یہ صرف پیپلز پارٹی کی بات نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ بھی زبان حال سے اعلان کر رہی ہے کہ "میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو" چنانچہ نواز شریف صاحب نے صاف کہا کہ میں "فنڈامنٹلسٹ" نہیں ہوں' میری توبہ۔! میں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ یہ سود کا معاملہ ہو گا کسی دماغ کا خلل۔! گھبراؤ نہیں' ہم تو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل میں جا رہے ہیں۔!

اسمبلی کے "لوٹا" بننے کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اگر اس کے بعد وہ پارٹی کو چھوڑتے ہیں تو انہیں بھی سیٹ چھوڑنی پڑے گی۔ یہ میرے نزدیک بہت صحیح اور عمدہ بات ہے اس کی تائید ہونی چاہے اور تائید میں سوچنے سمجھنے والے لوگ جتنا بھی زور صرف کر سکتے ہوں کرنا چاہے۔

مسلم لیگ کے لئے موقع

تیسری بات جو میں ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میاں نواز شریف صاحب کو میں نے مختلف مواقع پر جو مشورے دیئے' ان سب کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی بہتر اور بیشتر توانائیاں مسلم لیگ کو منظم کرنے میں صرف کریں۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے ہمیشہ یہ کہا کہ وہ جوان ہیں' باصلاحیت ہیں' بھاگ دوڑ کی ہمت رکھتے ہیں اور محنت کر سکتے ہیں۔ پھر دولت مند بھی ہیں گویا اس معاشرے میں سیاست کے لئے جو بھی لوازمات ضروری ہیں' وہ سب ان کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں لیکن انہیں اپنی ترجیحات میں مسلم لیگ کو منظم و مستحکم کرنے کے کام کو سب سے اوپر رکھنا چاہئے۔ میں نے ایک زمانے میں لکھا تھا کہ پیپلز پارٹی بہرحال ایک پارٹی کی حیثیت رکھتی ہے تو بعض لوگوں نے مذاق اڑایا تھا' اب سب مانتے ہیں کہ پیپلز پارٹی ایک پارٹی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن سیاست کی گاڑی کے صحیح طور پر پٹڑی پر چلنے کے لئے ضروری ہے کہ دو پارٹیاں مد مقابل ہوں۔ مسلم لیگ منظم نہیں تھی--! اب ایک موقع ملا تھا نواز شریف صاحب کو کہ جونیجو گروپ کی طرف سے یہ پیشکش ہوئی تھی کہ اگر نواز شریف صاحب قیادت چھوڑ دیں تو وہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کو تیار ہیں' اسے وہ اپنی ذات کی قربانی دے کر قبول کر لیتے تو بہت بہتر رہتا اور مسلم لیگ بحیثیت جماعت مزید مستحکم ہو جاتی۔ ذاتی قربانی کے بغیر دنیا میں کبھی کوئی کام نہیں ہوتے بلکہ اگر مسلم لیگ کی صدارت اور وزارت عظمیٰ کو کبھی پہلے ہی الگ کر دیا گیا ہوتا تو مسلم

> اگر حمیت پاکستانی بھی اس قوم میں ہوتی تو میرے نزدیک بے نظیر کی سیاست اس ملک میں ختم ہو جانی چاہئے تھی۔ بہرحال مجھے دینی غیرت اور پاکستانی حمیت' دونوں اعتبارات سے مایوسی ہوئی ہے۔ میرے لئے یہ بات صدمے کی ہے۔ مجھے صدمہ اس بات کا نہیں کہ کون برسراقتدار آیا اور کون رہ گیا' اس ضمن میں میرا قول ہے کہ "گاؤ آمد و خر رفت یا خر آمد و گاؤ رفت" سے کیا فرق پڑتا ہے۔

لیگ کے استحکام کی شکل پیدا ہو سکتی تھی۔ بہرحال چٹھہ صاحب کے اس بیان پر تو عمل نہیں ہوا' اس وقت جو شکل بنی تھی' بن گئی ہے لیکن اب بھی میرا مشورہ ہے اور دعا ہے جیسا کہ انہوں نے خود کہا ہے کہ وہ ایک مثالی اپوزیشن لیڈر کا کردار ادا کر کے دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے' ہمت دے۔ یہ ایک مثبت سوچ ہے اور مروجہ سیاست میں قومی اعتبار سے حکومتی پارٹی سے بھی زیادہ اہم کردار اس پارٹی کا ہوتا ہے جو اپوزیشن میں ہوتی ہے۔ اگر وہ بااصول ہے' جاندار ہے' بیدار ہے' ہر چیز کا علم رکھتی ہے' ہر چیز پر نظر رکھتی ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور پھر ہر معاملے کو اسمبلی میں لاتی ہے' بحث کرتی ہے' پبلک کو بھی آگاہ رکھتی ہے اور پبلک ایجی ٹیشن کا بندوبست کرتی ہے تو برسراقتدار جماعت کو بھی تیر کی طرح سیدھے ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ دو باتیں تو وہ تھیں جو میرے اندازے کے مطابق درست ثابت ہوئی ہیں۔ ایک صد فی صد درست اور دوسری بھی میں سمجھتا ہوں کہ پچھتر سے اسی فی صد تک تو ضرور پوری ہوئی ہے۔

بے نظیر سیاسی خودکشی کر چکی تھی

البتہ دو باتیں ایسی ہوئی ہیں کہ جن کے بارے میں مجھے اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی پڑ رہی ہے۔ اور ان کا ذکر میں رنج اور صدمے کے ساتھ کر رہا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے یہ کہا تھا کہ اب بے نظیر کی سیاست اس ملک سے ختم ہو جائے گی اور یہ میں نے دو بنیادوں پر کہا تھا۔ میرا یہ خیال تھا کہ اس ملک میں دینی غیرت اور پاکستانی حمیت اتنی قوی ہے کہ بے نظیر کی طرف سے دو باتیں کھلم کھلا آنے کے بعد قوم ان کو دوبارہ سیاست میں وہ مقام نہ دے گی جو پہلے رہا ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے اسلامی حدود و تعزیرات کو وحشیانہ اور غیر مہذب قرار دیا۔ یہ کھلم کھلا دین سے بغاوت ہے۔ یہ استہزا ہے اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا۔ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں تو پھر وحشی تو وہ اللہ ہے (معاذ اللہ) جس کا یہ دین ہے۔ اسے بالکل طور پر قبول کرو یا پھر دفع ہو جاؤ۔ اگر کسی کو دین چاہئے تو پھر پورا لینا ہو گا۔ سو دینی غیرت اگر کسی شے کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے معاشرے میں موجود نہیں ہے۔ ع۔۔ "ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔۔!"

دوسری بات پاکستانی حمیت سے متعلق ہے۔ امریکہ میں بے نظیر نے جو بیان دیا تھا جس میں نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کہہ دی تھیں جو اس ملک کے مستقبل کے حق میں بہتر نہیں تھیں۔ میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ وہ کیا بات تھی اور اس کی کیا وضاحت آئی تھی۔ بات کچھ یوں سامنے آئی تھی کہ جب میں وزیراعظم تھی تو مجھے بے خبر رکھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی ریڈ لائن اس عرصہ میں کراس ہو گئی ہو یا ہو گئی ہے۔۔۔ امریکہ جا کر یہ بیان دینا کیا معنی رکھتا ہے جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملک کی بقا کے لئے نیوکلیئر پروگرام لازمی ہے۔ اس ملک کی تو ولادت ہی بھارت کی دشمنی کے ساتھ ہوئی تھی۔ بھارت کا ہندو ذہن کبھی بھی پاکستان کے وجود کو قبول نہیں کر سکتا اور اتنا بڑا ملک ہے کہ اگر ہمارے پاس نیوکلیئر ڈیٹرینٹ نہیں ہے تو ہم تو بے بس ہو کر رہ جائیں گے۔ سو اگر حمیت پاکستانی بھی اس قوم میں ہوتی تو میرے نزدیک بے نظیر کی سیاست اس ملک میں ختم ہو جانی چاہئے تھی۔ بہرحال مجھے دینی غیرت اور پاکستانی حمیت دونوں اعتبارات سے مایوسی ہوئی ہے۔ میرے لئے یہ بات صدمے کی ہے۔ مجھے صدمہ اس بات کا نہیں کہ کون برسراقتدار آیا اور کون رہ گیا' اس ضمن میں تو میرا قول ہے کہ "گاؤ آمد و خر رفت یا خر آمد و گاؤ رفت" سے کیا فرق پڑتا ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ پاکستانی عوام کی غیرت دینی اور حمیت پاکستانی اس درجے کم ہو چکی ہے' اس کا صدمہ مجھے ضرور ہوا ہے۔ اگرچہ میں نے ایک تجزیہ کر کے' یوں کہہ لیں کہ ع... "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" کے مصداق اپنے لئے ڈھارس کا کچھ انتظام کیا ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ پیپلزپارٹی کی اصل کامیابی دیہی علاقوں میں ہوئی ہے اور وہاں پیپلزپارٹی کا کوئی نظریاتی تشخص سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ وہاں کی سیاست خالص وڈیرا سیاست اور جاگیردارانہ سیاست ہے۔ شہروں میں جیالے فتح کا جشن منا رہے ہیں حالانکہ شہروں میں تو جیالے شکست کھا چکے ہیں۔ شہروں میں تو اکثر و بیشتر پیپلزپارٹی کو ناکامی ہوئی ہے۔ نظریاتی اعتبار سے اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو وہ شہروں میں ہی آتی ہے' دیہات میں نہیں آتی۔ اس اعتبار سے تو اتنا بڑا نتیجہ اس سے نہیں نکالنا چاہئے۔ پھر بھی میں اس کو ریکارڈ پر لے آنا چاہتا ہوں کہ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ پاکستانی قوم کی غیرت دینی اور حمیت پاکستانی میں کس حد تک ضعف پیدا ہوا ہے۔

مذہبی جماعتوں کی مایوس کن کارکردگی

دوسری بات جو میرے اندازے سے غلط ثابت ہوئی وہ مذہبی جماعتوں کی کارکردگی ہے۔ میں ہرگز یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ مذہبی جماعتوں کا یہ حشر ہو گا جو ہوا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ کہ میں اسے بے کار وقت ضائع کرنا سمجھتا ہوں لیکن ان کا اثر و نفوذ اس درجے کم ہو چکا ہے' مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا اور میں اس کا صاف اقرار کر رہا ہوں۔ مولانا نورانی میاں' مولانا عبدالستار خان نیازی' مولانا معین الدین لکھوی' سب چاروں شانے چت ہو گئے۔ یہ تو اس ملک میں مذہبی اعتبار سے بڑی قد آور شخصیتیں شمار ہوتی تھیں۔ جے یو آئی کا پختون بیلٹ بھی بہت سکڑ کر رہ گیا ہے۔ مولانا فضل الرحمن صاحب خود پیپلزپارٹی کی سپورٹ سے کامیاب ہوئے ورنہ نہ ہوتے۔ یہ بھی ہمارے لئے خطرے کا ایک الارم ہے۔ میرا وہ اختلاف اپنی جگہ کہ انتخابات سے کچھ

نہیں ہو گا لیکن انتخابی سطح پر ہماری مذہبی جماعتوں کا اثر و نفوذ اتنا نیچے جا چکا ہے' میں تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اور یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل بنانے کے لئے صحیح صحیح تشخیص بہت ضروری ہے۔ ورنہ آدمی اپنے خیالات میں مگن رہتا ہے' خوش فہمیوں کا شکار ہوتا ہے' تلک امانیھم۔ قرآن نے بتایا کہ "لیس بامانیکم و لا امانی اھل الکتاب" اے اہل ایمان نہ تمہاری خواہشات سے کچھ ہو گا نہ اہل کتاب کی خواہشات سے کچھ ہو گا۔

یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

جماعت اسلامی: خواب اور حقیقت

اس ضمن میں جماعت اسلامی کا معاملہ سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو میرے لئے بھی بہت حیرت ناک ہے۔ قبل ازیں ۷۰ء کے انتخابات کا ذکر ہوا تھا تو یہاں یہ ذکر بھی کر دوں کہ اس وقت شاید میں سیاسی طور پر زیادہ بیدار تھا' اب بوڑھا ہو گیا ہوں تو شاید میرا سیاسی شعور بھی کچھ کند ہو گیا ہے۔ اس موقع پر میں عید الفطر کے دن یعنی الیکشن سے چند دن قبل مدینہ منورہ میں مولانا عبدالغفار حسن کے مکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ سعودی عرب میں مقیم جماعت اسلامی کے احباب کا ایک گروپ عید ملنے آیا۔ مولانا عبدالغفار حسن جماعت اسلامی کے سابق زعماء میں سے تھے۔ ان میں اس علاقے میں جماعت اسلامی کے ذمہ دار عہدیدار راؤ اختر بھی موجود تھے۔ وہ میرے جمیعت طلباء کے جونیئر ساتھیوں میں سے تھے۔ جب میں جمیعت کا ناظم اعلیٰ تھا تو وہ ایک عام رکن تھے۔ اس محفل میں گفتگو ہو رہی تھی کہ الیکشن ۷۰ء سے کیا امیدیں ہیں' کیا توقعات ہیں' کتنے لوگ آئیں گے۔۔؟ کوئی کہہ رہا تھا کہ جماعت کے امیدوار ۶۰ کی تعداد میں آ جائیں گے' کوئی کچھ اور کہہ رہا تھا۔ راؤ محمد اختر صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کچھ نہیں کہہ رہے۔ میں نے کہا کہ بھائی میری بات تمہیں اچھی نہیں لگے گی۔ کہنے لگے کہ آپ کہئے تو سہی' جو بھی آپ کی رائے ہے وہ دیجئے۔ میں نے کہا کہ مغربی پاکستان میں آپ کی چار یا پانچ سیٹیں ہیں۔ اور میں حیران ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ان الفاظ کو کس درجے صحیح ثابت کر دیا یا میری رائے کتنی صحیح ثابت ہوئی۔ چنانچہ چار آدمی تو کامیاب ہوئے تھے جماعت کے اپنے ٹکٹ پر اور پانچویں مولانا ظفر احمد انصاری مرحوم آئے تھے جماعت کی سپورٹ سے' تو اس طرح ساڑھے چار آدمی ہی تو ہوئے یعنی چار اور پانچ کے درمیان۔ اس دفعہ مجھے توقع تھی کہ دس بارہ سیٹیں تو جماعت اسلامی لے ہی جائے گی لیکن میں حیران ہوا ہوں کہ جماعت کا اسلامی فرنٹ بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ دو چیزیں میں نے گنا دی ہیں جن میں میری رائے اور اندازے سے برعکس نتائج نکلے ہیں۔

مذہبی عناصر کے لئے لمحہ فکریہ

اب اصل بات یہ ہے کہ اس وقت جملہ مذہبی جماعتوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اللہ کی شان ہے "یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی"۔ اللہ تعالیٰ زندہ میں سے مردہ کو اور مردہ میں سے زندہ کو برآمد کرتا ہے۔ ظاہری خیر میں سے شر نکل آتا ہے اور شر میں سے خیر نکل آتا ہے۔ یہ جو بہت بڑا شر ہمارے سامنے آیا ہے اسی میں سے بہت بڑا خیر برآمد ہو سکتا ہے۔ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ آیا ہے اور غور کرنے اور اپنے معاملات کا از سر نو جائزہ لینے کا موقع ملا ہے کہ صغریٰ کبریٰ نئے سرے سے جوڑ کر نتیجہ نکالیں۔ اس چکر میں نہ پڑیں کہ "اربعہ میراجوں کاتوں' کنبہ میرا ڈوبا کیوں"۔ حساب تو وہی ہے' میں نے ندی کے اندر سے گزر کر دریا عبور کرنا تھا' مختلف جگہوں سے گہرائی ناپ کر اوسط نکال لی۔ اوسط تین فٹ نکلا جس میں آدمی ڈوبتا نہیں۔ میں نے کہا چلو کوئی نہیں ڈوبے گا لیکن سب ڈوب گئے دوبارہ حساب کتاب لگایا تو معلوم ہوا کہ حساب تو وہی ہے پھر کنبہ کیوں ڈوبا۔۔؟۔ تو اوسط سے بات نہیں بنتی۔ جہاں پر پانی گہرا تھا' وہاں سب ڈوب گئے۔ یہ بھی ایک طرح کا چکر ہوتا ہے جس سے انسان نہیں نکل پاتا۔ اگر انسان اپنے ہی معاملات سے عبرت پکڑے اور حالات و واقعات سے سبق حاصل کرے تو یہ چیز انسان کے رشد اور کامیابی کے لئے بہت مفید عامل بن سکتی ہے۔ اور شر میں سے خیر برآمد ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں پہلی بات تو میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مذہبی زعماء اور مذہبی جماعتوں کو جو شکست ہوئی ہے اس کے فوری اسباب میں نہیں الجھنا چاہئے' شخصی اور گروہی قسم کے معاملات میں بھی سر نہ کھپایا جائے۔ بہت گہرا تجزیہ کرنا چاہئے کہ اصل سبب کیا ہے۔ کچھ نہ کچھ فوری طور پر بھی کارفرما ہو جاتے ہیں اور عام طور پر انسان کامیابی یا ناکامی کا کریڈٹ یا ڈس کریڈٹ ان فوری قسم کے عوامل کے حوالے کر کے گہرے تجزیئے سے اپنے آپ کو بچا لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ تلخ حقائق کو دیکھنے کے لئے طبعاً انسان آمادہ نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ جرات رندانہ کے ساتھ اس نتیجے کا گہرا تجزیہ کیا جائے اس لئے کہ یہ معاملہ بہرحال ہمارا شخصی معاملہ نہیں ہے بلکہ قوم کا ہے' ملک کا ہے' وطن کا ہے لہٰذا جتنا بھی ممکن ہو objective اور گہرا تجزیہ کیا جائے۔ پھر اگر غلطی کا ادراک اور شعور ہو جائے تو برملا اس کا اعتراف کیا جانا چاہئے۔ وہ بات ہو جو سورہ نساء میں وارد ہوئی ہے یعنی:- "ولم یصروا ما فعلوا" اب اصرار نہ ہو۔ وہ نہ ہو جو سورۂ بقرہ میں آئی ہے "اخذتہ العزہ بالاثم" یعنی جھوٹی انا

مذہبی زعماء اور مذہبی جماعتوں کو جو شکست ہوئی ہے اس کے فوری اسباب میں نہیں الجھنا چاہئے۔ شخصی اور گروہی قسم کے معاملات میں بھی سر نہ کھپایا جائے۔ بہت گہرا تجزیہ کرنا چاہئے کہ اصل سبب کیا ہے۔ کچھ نہ کچھ عوامل فوری طور پر بھی کارفرما ہو جاتے ہیں اور عام طور پر انسان کامیابی یا ناکامی کا کریڈٹ یا ڈس کریڈٹ ان فوری قسم کے عوامل کے حوالے کر کے گہرے تجزیئے سے اپنے آپ کو بچا لے جاتا ہے۔

آڑے آجائے کہ کیسے مان لیں کہ ہم نے غلط کام کیا ہے۔ غلطی ہوئی ہے تو اعتراف کریں' اللہ کی جناب میں بھی استغفار کریں' توبہ کریں اور لوگوں کے سامنے یعنی علی رؤس الاشہاد بھی کہیں کہ ہمارا اندازہ غلط تھا' ہمارا تخمینہ غلط تھا۔ ان کے بعد نبوی جرات کے ساتھ اس کو درست کرنے کے لئے قدم اٹھایا جانا چاہئے۔ ان دونوں اصولوں کے پیش نظر میری جو عاجزانہ گزارشات ہیں وہ بے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ تین باتیں ہیں جن کا ہمیں گہرا شعور ہونا چاہئے۔

مذہب نہیں' دین کو ہدف بنایئے

پہلی بات یہ کہ ہماری مذہبی جماعتوں کی اکثریت فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم ہے جس میں تصور اسلام بحیثیت دین نہیں بلکہ بحیثیت مذہب ہے۔ یہ مذاہب و مسالک ہیں۔ مذہب سلفی' مذہب حنفی اور پھر مذہب حنفی میں دیوبندی بریلوی۔ یہ کچھ عظیم شخصیات تھیں مولانا احمد رضا بریلوی' مولانا اشرف علی تھانوی جن کے حوالے سے گروہ بن گئے۔

شہروں کے حوالے سے دیوبندی اور بریلوی ہو گئے۔ ان سب کی بجائے جب تک مذہب طور مسلک کو زیریں سطح پر رکھ کر اسلام کو دین کی حیثیت سے سامنے نہیں رکھیں گے تب تک بات نہیں بنے گی۔ مذہب اور مسلک اپنے روزمرہ کے ذاتی عمل کے لئے ہیں۔ اصل ہدف دین کو بننا چاہئے۔ یہ بات نوٹ کر لیجئے' کہ مذہب اور مسلک میں اختلاف اصل ہے جب کہ دین میں اتحاد اصل ہے۔ ہمارا دین ایک ہے اسلام۔ مذہب یا مسلک جو بھی ہو۔ حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی' سلفی' ظاہری یہ سب مذاہب ہیں اور ان کی بنیاد اختلاف پر ہے۔ ان میں اتحاد کیسے ہو جائے گا جب کہ اس کے برعکس دین واحد شے ہے۔ دین کی تفریق تو شرک ہے "الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا" ----- اور دوسری جگہ دین ایک ہے' اسلام۔ مذاہب الگ الگ ہیں' چار تو اہل سنت کے ہیں اور پانچواں مسلک سلفی بھی اہل سنت ہی کا ہے۔ پھر اہل تشیع' پھر اہل ظاہر' پھر کچھ نہ کچھ فرقے خوارج کے بھی آج تک موجود ہیں۔ اگرچہ وہ اس طرح کے کٹر خوارج نہیں جن کی تکفیر ہوئی تھی۔ بہرحال یہ فقہی مذاہب ہیں' ان کے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن دین ایک ہے۔ اگر اس بات کا صحیح صحیح شعور حاصل ہو جائے اور ہدف معین ہو جائے کہ وہ صرف دین ہے' اور دین

اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم عذاب الٰہی کی گرفت میں کیوں ہیں۔؟ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس وقت امت مرحومہ نہیں بلکہ امت معذبہ ہیں۔ آج "ضربت علیھم الذلہ والمسکنہ" کے الفاظ یہودیوں پر نہیں بلکہ ہم پر صادق آرہے ہیں۔

بھی بحیثیت ایک سیاسی سماجی معاشی نظام ------یا------ نظام عدل اجتماعی کے--!' تو یہ بات بھی از خود سامنے آجائے گی کہ یہ کبھی بھی انتخابات کے ذریعے قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے انقلاب کا راستہ۔ بہرحال اصل بات وہی ہے کہ مذہب کے تصور سے بلند ہو کر دین کے تصور کو اپنایا جائے۔ اگر یہ منزل طے ہو جائے تو اس امر میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہے گی کہ یہ انتخابات کے ذریعے قائم نہیں ہو گا اس لئے کہ ہر شے کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کے لئے وہ وجود میں آئی ہوتی ہے۔ انتخابات کا نظام وضع ہی کیا گیا ہے کسی نظام کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے' بدلنے کے لئے نہیں۔ لہٰذا اس مشین سے انقلاب برآمد ہو ہی نہیں سکتا۔

دین کا غلبہ انتخابات سے نہیں ہو گا

ثانیاً انتخابات میں اصل فیصلہ کن شے تعداد ہے یعنی اکثریت' جب کہ انقلاب میں اصل شے ہے جذبہ' ایثار اور قربانی۔ ایک شخص سر ہتھیلی پر رکھ کر آتا ہے۔ دوسرا شخص بزدل ہے' اس کی کسی نظریئے سے کوئی وابستگی ہے ہی نہیں۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں--؟ لیکن یہ فرق صرف انقلابی میدان میں واضح ہوتا ہے ورنہ انتخابات میں تو سب برابر ہیں۔ اس کا بھی ایک ہی ووٹ ہے اور اس کا بھی۔ کہاں وہ سرفروش جو سر کفن اور کفن بردوش ہو کر میدان میں نکلیں اور ؎

منحصر مرنے پہ ہو جن کی امید
نوامیدی ان کی دیکھا چاہئے

کیا ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے..؟۔ لیکن یہ فرق تو انقلابی جدوجہد میں ظاہر ہو گا۔ پھر انتخابات میں تو اس کا بھی ایک ووٹ اس کا بھی ایک ووٹ۔ انتخابات میں اصل فیصلہ کن ووٹ کس کا ہوتا ہے..؟ اس کا جسے آپ "سائلنٹ میجارٹی" یعنی خاموش اکثریت کہتے ہیں۔ ان کی کوئی نظریاتی وابستگی ہوتی ہی نہیں۔ وہ تو حاضر و موجود نظام زندگی کے "مراکز اقتدار" کے نیچے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر جاگیردارانہ نظام ہے تو وہ جاگیرداروں کے تابع ہیں' سرمایہ دارانہ نظام ہے تو سرمایہ داروں کے تابع ہیں۔ لہٰذا بحالہ جاگیردار اور سرمایہ دار ہی ووٹ لے کر اوپر آئیں گے تو ظاہر ہے کہ جب وہ اسمبلیوں میں بیٹھیں گے تو بھلا آپ کو نظام کیسے بدلنے دیں گے؟ "ایں خیال است و محال است و جنوں"۔

زمان و مکان کا شعور بھی ضروری ہے

تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں زمان و مکان کا شعور پیدا کرنا ضروری ہے۔ وہ کیا حالات تھے' زمانے کے بہاؤ کا کون سا رخ تھا جس میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا ماضی کیا ہے' اس کے لئے چلنے والی تحریک کے اصول کیا تھے' اس کی منزل کیا تھی' اس کا ہدف کیا تھا۔ اس کے پیچھے مسلم انڈیا کی پون صدی کی تاریخ ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا' دراصل اسی کے نتائج کا ایک ظہور ہے جو پاکستان کی شکل میں ہوا ہے۔ اس حوالے سے تاریخ کا شعور اور پھر اس امر کا ادراک کہ اس وقت بحیثیت امت مسلمہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟۔

کونسی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں

عالم عرب کس حال میں ہے اور عجمی مسلمان کس حال میں ہیں' آنے والے حوادث کون سے ہیں' جن کی پیشینگوئیاں صریح احادیث میں موجود ہیں۔ پھر اصل

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم عذاب الٰہی کی گرفت میں کیوں ہیں؟ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس وقت امت مرحومہ نہیں بلکہ امت معذبہ ہیں۔ آج "ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ" کے الفاظ یہودیوں پر نہیں بلکہ ہم پر صادق آ رہے ہیں۔ ذلت و مسکنت کا تسلط ہم پر ہے۔ ڈیڑھ ارب کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہماری حیثیت کیا ہے..! اور بین الاقوامی سطح پر ہمارا وزن کیا ہے..؟ ہمارا وزیراعظم کہیں اور سے Export ہو کر آتا ہے۔ اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا' پہلے محمد علی بوگرہ بھی امریکہ سے Export ہو کر آیا تھا۔ یہ تو ہمارا حال ہے۔ اجودھیا کی مسجد شہید کر دی گئی اور اب شدید اندیشہ ہے کہ حضرت بل" کی درگاہ پر بھی کچھ ہو جائے گا تو یہ دھواں دھار تقریریں کرنے والے تقریریں ہی کرتے رہ جائیں گے' اور جو کچھ ہونا ہے' ہو جائے گا۔ اجودھیا میں ہو گیا کہ نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شدید اندیشہ ہے کہ بہت جلد یہی کچھ مسجد اقصیٰ میں ہونے والا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ تاریخ کدھر جا رہی ہے..؟۔ اسرائیل کو وجود میں آئے نصف صدی ہونے کو ہے ہے اور اب گریٹر اسرائیل انیس بہرحال قائم کرنا ہے' یہ ان کے اعلانیہ عزائم ہیں۔ ان کا کعبہ منہدم پڑا ہوا ہے' کیا آپ نے کبھی سوچا کہ جو مقام ہمارے لئے کعبہ کا ہے وہی ان کے لئے ہیکل سلیمانی کا ہے۔ انیس سو تئیس برس ہو گئے کہ وہ منہدم ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار باقی ہے جس کے پاس جا کر رو پیٹ کر آجاتے ہیں۔ لیکن اب اس وقت وہ ایک طاقت بن چکے ہیں معاہدہ بھی ہوا تو یہ کہ غزہ کی پٹی اور جریکو میں کچھ ذیلی خود اختیاری لے لو لیکن خبردار یروشلم کی بات مت کرنا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ اب حالات بہت سخت آنے والے ہیں۔ الغرض' ماضی و مستقبل' اور حال کے یمین و یسار کا واضح شعور لازمی ہے..!

قاضی' ایک باصلاحیت آدمی

اور اب آخری بات جماعت اسلامی اور پاکستان اسلامک فرنٹ کے حوالے سے۔ اس سلسلے میں چند باتیں تو وہ ہیں جو میں نے پہلے بھی کہی تھیں اور آج بھی کہہ رہا ہوں۔ ایک بات میں نے کہی تھی اور کئی مرتبہ کہی تھی بلکہ نوائے وقت میں چھپی بھی تھی۔ وہ تھی قاضی صاحب کی شخصیت کے بارے میں کہ وہ بہت متحرک انسان ہیں' بہت باصلاحیت انسان ہیں۔ اگر نواز شریف میں بھاگ دوڑ کی ہمت تھی تو قاضی حسین احمد صاحب نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ بھاگ دوڑ کی ہمت ان میں بھی پوری طرح موجود ہے۔ میں نے کہا بھی تھا اور لکھا بھی کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ جس طرح ذوالفقار علی بھٹو نے ایک الیکشن طوفانی انداز میں جیت لیا تھا اس طرح عین ممکن ہے کہ قاضی صاحب بھی کسی موقعہ پر اسی طرح بہا کر لے جائیں۔ میں نے اس امکان کی نفی نہیں کی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اس سے اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کے آنے کا کوئی اور راستہ ہے۔ جس طرح بھٹو کے آنے سے سوشلزم نہیں آیا تھا اسی طرح قاضی صاحب آجائیں' یا کوئی اور آجائے لیکن اس طریقے سے اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام آئے گا صرف طریق محمدی ﷺ سے' اس کے سوا چارہ نہیں۔ "خلاف پیمبر کسے رہ گزید۔ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید" اسلام منزل ہے تو الیکشن کے راستے سے نہیں پہنچ سکتے' اسلام آباد منزل ہے تو آدمی پہنچ سکتا ہے۔

تشخیص درست ہے علاج غلط

دوسری بات یہ کہ میں نے ۴ جون ۹۳ء کو یہاں اور پھر ۱۱ جون ۹۳ء کو کراچی

میں نے کہا بھی تھا اور لکھا بھی کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ جس طرح ذوالفقار علی بھٹو نے ایک الیکشن طوفانی انداز میں جیت لیا تھا اس طرح عین ممکن ہے کہ قاضی صاحب بھی کسی موقع پر اسی طرح بہا کر لے جائیں۔ میں نے اس امکان کی نفی نہیں کی تھی لیکن ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ اس سے اسلام نہیں آئے گا۔

میں جو تقریریں کیں ان میں کہا تھا کہ میں قاضی صاحب کی تین باتوں کو صد فیصد درست تسلیم کرتا ہوں۔ اور آج بھی اپنی اسی بات پر قائم ہوں۔ پہلی بات یہ کہ ان کو عالمی حالات کا درست ادراک ہے۔ ان کا یہ مشاہدہ بالکل صحیح ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر چھا چکا ہے اور ہم بھی امریکہ کے چنگل میں آچکے ہیں۔ سب کے سب اس کے سامنے سربسجود ہیں' چاہے بے نظیر ہو چاہے نواز شریف' اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ داخلی طور پر پاکستان میں جب تک سرمایہ داری اور جاگیر داری کی دو لعنتیں موجود ہیں' یہاں کے حالات میں کوئی بہتری نہیں آئے گی۔ یہ بات بالکل صحیح ہے' اگرچہ ان کا طرز عمل بہت مختلف تھا۔ اس لئے کہ ۸۸ء کے الیکشن سے پہلے بھی انہوں نے یہی نعرے لگائے تھے لیکن بعد میں ملک کے سب سے بڑے سرمایہ دار کے ساتھ مل کر آئی جے آئی بنالی تھی۔ تاہم اس وقت مجھے بحث ان کے عمل سے نہیں بلکہ ان کے موقف سے ہے جو صد فی صد درست ہے۔ تیسری بات یہ کہ ان کی یہ رائے بھی درست ہے کہ مذہبی جماعتوں کے اتحاد سے کچھ نہیں بن سکتا۔ ایک شخص کی قیادت میں ایک جماعت ہو' وہی کوئی کام کر سکتی ہے۔

لیکن ان تینوں باتوں کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ آپ الیکشن کے راستے سے ہٹ جائیں اور انقلاب کے راستے پہ آئیں۔ میں اب بھی ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ کوئی سیاسی حکومت امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ نہیں کر سکتی چاہے اس کے سربراہ قاضی حسین احمد ہی کیوں نہ ہوں۔ صرف وہی حکومت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے جو انقلابی عمل سے گزر کر آئی ہو۔ لاکھ دو لاکھ کارکن اس کے پاس ایسے موجود ہوں جو ایمان اور یقین کی دولت سے بھی مالا مال ہوں اور امتحانوں اور آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر زر خالص بن گئے ہوں۔ اور پوری قوم کے اندر بھی انقلابی جذبہ پیدا کر دیا گیا ہو یعنی لوگ فاقہ کرنے یہاں تک کہ جان دے دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر کسی کی بھی حکومت ہو' وہ نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ گویا وہ بات جو بھٹو نے کہی تھی کہ گھاس کھالیں گے لیکن ایٹم بم بنائیں گے۔ اگرچہ وہ بھی صرف الفاظ ہی تھے لیکن حقیقت پر مبنی الفاظ تھے۔ جب تک قوم میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہو گا آپ نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ الغرض' قاضی صاحب کی تینوں باتوں کا منطقی نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ الیکشن کے راستے کو چھوڑ کر احتجاجی اور مزاحمتی

> موجودہ اسمبلیوں کے اراکین کی عظیم اکثریت کی کوئی نظریاتی وابستگی نہیں ہے۔ سوائے اپنے مفادات کے تحفظ اور اپنے مسائل کے خاطر خواہ حل کے' ان کا کوئی منشور نہیں بلکہ زمینداروں اور وڈیروں کے لئے تو موجودہ سیاست ایک کھیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تحریک کا راستہ اختیار کریں۔ لیکن افسوس کہ الیکشن جماعت اسلامی کی گھٹی میں پڑ چکا ہے۔ حالانکہ انتخابی سیاست کے تقاضے بالکل دوسرے ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی یہی گزارش ہے کہ الیکشن میں جانا تھا تو دینی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم کرنا چاہئے تھا۔ گویا۔

"اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر!"

والا معاملہ ہے۔ چنانچہ اب جب کہ تمام مذہبی جماعتیں چاروں شانے چت ہو گئیں تو مایوسی کا غلبہ اس قدر ہے کہ میرے اپنے رفقاء نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ ساری جماعتیں جمع ہو جاتیں تب بھی یہی کچھ ہوتا۔ میں نے کہا نہیں' آپ لوگ حالات سے بہت متاثر ہو گئے ہیں۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ' جمعیت علماء پاکستان نورانی گروپ' جماعت اسلامی اور جمعیت اہل حدیث کا لکھوی گروپ چاروں یکجا ہو کر یک جان و چار قالب بن جاتے تو کم از کم تیس چالیس سیٹیں اس وقت بھی اسی ملک میں مل گئی ہوتیں۔ حاصل کلام یہ کہ اگر الیکشن کا راستہ اختیار کرنا تھا تو آپ کو دوسری مذہبی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کرنا چاہئے تھا ورنہ یہ جو رائے آپ دے رہے ہیں کہ ایک امیر اور ایک جماعت ہو تو یہ تو دراصل انقلاب کا راستہ ہے۔

چھوٹی بڑی برائی کا مسئلہ

ایک مسئلہ جو ان دنوں بہت زور شور سے اٹھا وہ "اھون البلیتین" کا فلسفہ ہے۔ قاضی صاحب پر سب سے زیادہ تنقید اسی کے حوالے سے ہو رہی ہے یعنی یہ کہ انہیں چاہئے تھا کہ نواز شریف صاحب کا ساتھ دیتے۔ اس لئے کہ اگرچہ برائی دونوں طرف ہے لیکن بڑی برائی کے مقابلے میں چھوٹی برائی کا ساتھ دینا چاہئے تھا.... اس ضمن میں بھی جو جو کچھ قاضی صاحب کہہ رہے ہیں میں اس کو صد فی صد درست سمجھتا ہوں۔ یہ "اھون البلیتین" کا معاملہ اصلاً تو فقط نجی اور ذاتی معاملے میں ہوتا ہے یا پھر سیاسی معاملہ میں بھی یہ طرز عمل اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن اقامت دین کی انقلابی جدوجہد کے ساتھ اس کی کوئی اونی مناسبت بھی نہیں ہے۔ گویا اس معاملے میں بھی میری بات وہی ہے کہ آپ جو باتیں کہہ رہے ہیں وہ سب انقلاب کے میدان کی ہیں اور آپ انہیں لا رہے ہیں سیاست کے میدان میں' ورنہ بات تو صد فی صد صحیح ہے کہ انقلابی راستے میں اھون البلیتین کے فلسفے سے زیادہ مسلک اور کوئی شے ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک طرف کفر ہے اور دوسری طرف نفاق ہے' اب ایک اعتبار سے تو کفر زیادہ بری شے ہے نفاق سے' کہ منافق کلمہ گو تو ہوتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ نفاق کفر سے زیادہ بری شے ہے "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا جتنا غضب منافقین پر بھڑکتا ہے اتنا کفار پر نہیں بھڑکتا۔ کافر کو دنیا میں عزت مل جائے گی اس کا تو سارا بیڑہ آخرت میں غرق ہو گا۔ لیکن منافقین کے لئے یہاں بھی کچھ نہیں اور وہاں بھی کچھ نہیں۔ "خسر الدنیا والاخرہ"۔

کفر قابل قبول ہے یا نفاق

اس اعتبار سے میرے نزدیک نواز شریف صاحب کے اپنے دور حکومت میں دین کا جو مذاق نفاذ شریعت ایکٹ کے ذریعے اڑایا گیا اور سود کو جاری رکھنے کا اعلان جس طرح نفاذ شریعت کے لیبل کے تحت ہوا۔ میرے نزدیک دینی اعتبار سے اس سے بڑا جرم اس ملک میں شائد ہی کوئی ہوا ہو۔ اس لئے کہ یہ استہزاء ہے' تمسخر ہے' ڈھٹائی ہے اللہ کے دین کے ساتھ۔ بہرحال میں تو نہیں کہہ سکتا کہ کون سا کفر بڑا ہے اور کون سا چھوٹا گویا اس معاملے میں بھی میں قاضی صاحب کی پوری تائید کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں جتنا بڑا سنگ میل پاکستان کی تاریخ میں قرارداد مقاصد تھی' اتنا ہی بڑا سنگ میل فیڈرل شریعت کورٹ کا وہ فیصلہ ہے جو تاریخ کا حصہ بنے گا۔ اس فیصلے کے بعد اگر ہمارے اندر ایمان کی کچھ بھی رمق ہوتی تو ہم اپنے ملک کے اندر کا داخلی سود تو فوراً ختم کر ہی دیتے۔ ۹۳-۱۹۹۲ء کے بجٹ میں ۷۲ ارب روپیہ سود خوروں کو دیا جانا تھا اور اس کا بڑا حصہ باہر کے نہیں اس ملک کے اندر بیٹھے ہوئے حرام خور سود خوروں کے لئے ہے۔ کیا آپ اس سود کو بیک جنبش قلم ختم نہیں کر سکتے تھے؟۔ کھالیا جو تم نے کھالیا' لے لیا جو تم نے لے لیا' "فلہ ما سلف" آج کے بعد تمہارا صرف اصل زر ہے اور وہ بھی ہم سہولت کے ساتھ ادا کریں گے "فنظرہ الی میسرہ" اگر ہم اندرون ملک یہ انقلابی قدم اٹھا لیتے تو باہر والوں سے بھی بات

> میں سمجھتا ہوں جتنا بڑا سنگ میل پاکستان کی تاریخ میں قرارداد مقاصد تھی' اتنا ہی بڑا سنگ میل فیڈرل شریعت کورٹ کا وہ فیصلہ ہے جو تاریخ کا حصہ بنے گا۔ اس فیصلے کے بعد اگر ہمارے اندر ایمان کی کچھ بھی رمق ہوتی تو ہم اپنے ملک کے اندر کا داخلی سود تو فوراً ختم کر ہی دیتے۔

> مجھ پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی کی شکست میں میرا بھی کوئی ماشہ تولہ ہاتھ ہے۔ چنانچہ یہ بات جو کہی جا رہی ہے کہ فلاں فلاں دانشوروں نے قاضی حسین صاحب کو بانس پر چڑھا دیا' تو ایسی کوئی بات میرے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔

کرنے کے قابل ہوتے کہ بھائی یہ ہمارے دین کا معاملہ ہے۔ بہرحال عقیدے میں شرک جلی اور عمل میں سود سے بڑے گناہ کوئی نہیں جبکہ یہ چھوٹی اور بڑی برائی کا فلسفہ بس انیس بیس کا فرق ہے۔ اور میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ انیس ادھر ہے یا ادھر اور بیس ادھر ہے یا ادھر۔

اس ضمن میں ایک واقعہ بھی سنا دینا چاہتا ہوں کہ ایک ہفت روزہ جریدہ جو ویسے تو جماعت اسلامی کے حلقے کا ہی شمار ہوتا ہے لیکن اس زمانے میں وہ نواز شریف صاحب کی تائید کرنے والوں میں سے ہے۔ اس کا ایک نمائندہ میرے پاس آیا تھا' یہ تین چار مہینے پہلے کی بات ہے اس نے مجھ سے بہت مفصل انٹرویو لیا۔ وہ کرید کرید کر سوال پوچھتا رہا اس وقت میں نہیں سمجھ سکا کہ بات کیا ہے؟ لیکن اب میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ مجھ سے کہلوانا یہ چاہتا تھا کہ سارا فتور' ساری خرابی قاضی صاحب نے پیدا کی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ سنئے! جو غلطی بھی جماعت اسلامی سے ہوئی ہے' وہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہو گئی تھی انقلابی راستے کو چھوڑ کر انتخابی راستے کو اختیار کر لیا گیا۔ اب یہ سب اسی غلطی کے برگ و بار ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب کہیں راستہ ٹیڑھا ہونے لگتا ہے تو شروع میں تو زاویہ چھوٹا ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے دونوں خط یا راستے آگے بڑھیں گے تو آپس کا فاصلہ تو زیادہ ہی ہوتا چلا جائے گا ابتدائی ٹیڑھ کا نتیجہ ہو گا۔ بہرحال میری اس رائے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا وہ انٹرویو شائع ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن میرا موقف جو اس وقت تھا' وہی اب بھی ہے۔ قاضی صاحب کی بات صحیح ہے لیکن غلط جگہ استعمال ہو رہی ہے' کاش یہ بات صحیح جگہ پر استعمال ہو جائے!

جماعت کی ساکھ کا دھیلا ہو گیا

اب آخری بات کہہ رہا ہوں کہ عملاً جو کچھ ہوا ہے جماعت اسلامی یا پی آئی ایف کے ذریعے' وہ نہایت افسوس ناک ہے۔ یہ فلمی دھنوں پر گانے اور ترانے' یہ بھنگڑے' دھمال' لڈیاں اور بڑی بڑی تصویریں' یہ شخصیت کو بنانا اور ابھارنا۔ یہ ساری چیزیں نہایت افسوس ناک ہیں "ہم نے کیا کیا نہ کیا دیدہ و دل کی خاطر" میں سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کی ایک متاع جو اس کے پاس رہ گئی تھی یعنی متانت' سنجیدگی' وقار اور ایک اخلاقی معیار' سب کا اس مہم کے دوران دھیلا کرا دیا گیا ہے اور بات وہی بن گئی ہے کہ ؎

پہلے ہی اپنی کون سی تھی ایسی آبرو
پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

اور یہ میں بہت عرصے سے کہہ رہا ہوں۔ پھر یہ سب کچھ کر کے بھی ہوا کیا؟ ع "میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی"۔ کیا حاصل ہوا؟ یہ سارے ڈرامے کر لئے اور سارے ناچ' ناچ لئے' سب کچھ کر لیا لیکن ملا کیا۔ تاہم اس شر میں بھی ایک خیر برآمد ہو سکتا ہے کہ کم از کم آئندہ کے لئے توبہ کر لی جائے اور میں نے سنا ہے کہ قاضی صاحب نے کچھ معذرت کا اظہار کیا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ سیاسی معذرت نہ ہو' دفع الوقتی والی معذرت نہ ہو' حقیقی معذرت ہو۔ لم یصروا مافعلوا وھم یعلمون" آئندہ وہ اس معاملے کو درست کریں۔ اگرچہ سوء ظن سے کام نہیں لینا چاہئے لیکن چونکہ وہ سیاست کے میدان کے آدمی ہیں اور اہل سیاست کا شیوہ ہے کہ صرف جان چھڑانے کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے یہ سب کچھ ان کی لاعلمی میں تو نہیں ہوا۔ لیکن اللہ جب بھی توبہ کی توفیق دے دے تو تعین کے ساتھ واضح طور پر کہنا چاہئے کہ یہ یہ کام آئندہ نہیں ہوں گے۔

نظام جماعت کی بحث

ایک بحث جماعت اسلامی کے نظام کے بارے میں ہے جو ۷۰ء میں بھی اٹھی تھی۔ ۷۰ء میں بھی جب جماعت اسلامی کو اپنی توقعات یا لوگوں کی امیدوں کے برعکس ناکامی ہوئی تو وہی صحافی حضرات جو پہلے پیشگوئیاں کر رہے تھے ساٹھ سیٹیں ملیں گی' پینترے بدل کر مولانا مودودی پر حملے کرنے لگے کہ ان کا جماعتی تصور غلط ہے' ان کا جماعتی نظام صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ نے الیکشن میں حصہ لینا ہے تو کھلی جماعت ہونی چاہئے' یہ کیا پابندیاں آپ نے لگا رکھی ہیں۔ یہ شریعت کی پابندی اور اخلاقی پابندیاں ختم کریں۔ یہ بحث آج کل پھر اخبارات میں چل رہی ہے۔ میں اس کے ضمن میں بھی اپنی رائے بہت اختصار کے ساتھ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک بھی واقعتاً یہ ایک تضاد ہے۔ جماعت اسلامی کا نظام بنا تھا اصل میں ایک انقلابی جماعت کے لئے۔ اسے لئے کہ اگر آپ خود اسلام پر عمل پیرا نہیں ہیں تو کیا خاک اسلام قائم کریں گے! موٹی سی بات ہے اگر آپ حرام کو چھوڑنے پر خود تیار نہیں ہیں' دینی معاشرت اختیار کرنے کو تیار نہیں ہیں' اپنے گھر پر اور اپنے وجود پر دین قائم کرنے کو تیار نہیں ہیں تو کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ آپ ملک میں یا دنیا میں اسلام کو غالب کر دیں گے گویا اصولی طور پر بات بالکل صحیح ہے لیکن وہ نظام ہے انقلابی میدان کے لئے اور اسے لا کر ڈال دیا گیا ہے سیاسی میدان میں' سیاست میں تو ظاہر ہے کہ جو سکہ رائج الوقت ہے' اس کو چلنے دیجئے۔ یا چناں کن یا چنیں والا معاملہ ہے۔ اگر سیاست ہی کا کھیل کھیلنا ہے تو واقعتاً نظام جماعت کو بدلیئے لیکن وہ تبدیلی جماعت اسلامی کے نظام میں آنی چاہئے۔ یہ نہیں کہ جماعت تو برقرار رہے انہی سابقہ اصولوں پر اور اس کے ساتھ ایک اور جماعت بنا لی جائے۔ یہ دونوں کیسے ایک ساتھ کیسے چل سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ مدیر "تعمیر" صلاح الدین صاحب نے کچھ مشورے دیئے ہیں جو قابل غور ہیں۔ بہرحال سابقہ نظام بھی حرف آخر تو نہیں ہے۔ وہ بھی ایک زمانے میں انسانی ذہن نے ہی تو بنایا تھا اس میں ضرورت کے تحت ترمیم کی جا سکتی ہے۔ ورنہ پھر سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ سیدھا سیدھا نظام بیعت اختیار کیجئے جس میں کسی انسانی ذہن کو دخل ہی نہیں ہے' وہ تو قرآن اور سنت اور سیرت سے ملا ہے۔

(جاری ہے)

رابطہ عوام کی بھرپور مہم کا ایک دور مکمل ہو گیا

الیکشن کے موسم میں خلافت کی خوب منادی ہوئی

مرتبہ: عبدالرزاق۔ سیکرٹری تحریک خلافت پاکستان

تحریک خلافت پاکستان کی سالانہ رپورٹ تحریک خلافت پاکستان Societies Act کے تحت ۱۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کو باقاعدہ رجسٹر کروائی گئی۔ رجسٹریشن کے بعد تحریک کی باقاعدہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہ رپورٹ ۱۵ دسمبر ۹۲ء تا ۱۵ اکتوبر ۹۳ء تک کے دس ماہ کے عرصے پر مشتمل ہے۔ اس سے قبل ۱۹ جولائی ۹۳ء کے ندائے خلافت کے شمارہ نمبر ۱۲ میں ابتدائی چھ ماہ کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے اس لئے قارئین ندائے خلافت کے لئے اس عرصے کے دوران ہونے والے اہم امور کی طرف صرف اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔

۱۔ ۱۵ جنوری کو سابقہ کنوینگ کمیٹیوں کے ارکان کا یک مشاورتی اجلاس لاہور میں طلب کیا گیا جس میں درج ذیل اہم فیصلے کئے گئے۔

i). ۱۰ تا ۲۵ اپریل ۹۳ء، تحریک کے دستور کے مطابق علاقائی خلافت کمیٹیوں کے انتخابات کروائے جائیں۔

ii). یکم مئی ۹۳ء کو ملتان میں تحریک کا آل پاکستان کنونش ہو۔

iii). رمضان المبارک کے دوران زیادہ سے زیادہ عوامی رابطے کے پروگرام کر کے تحریک کے حلقے کو وسیع کیا جائے۔

۲۔ ناظم انتخابات جناب مختار حسین فاروقی کی زیر نگرانی علاقائی خلافت کمیٹیوں کے انتخابات مقررہ تاریخوں ۱۰ تا ۲۵ اپریل کے دوران مکمل ہو گئے۔

۳۔ یکم مئی ۹۳ء کو ملتان میں شیڈول کے مطابق کل پاکستان تحریک خلافت کنونشن منعقد ہوا جس میں بہت سے معاون مقررین کے علاوہ داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بھی خصوصی خطاب ہوا۔ علاوہ ازیں علاقائی خلافت کمیٹیوں کے اراکین نے مرکزی خلافت کمیٹی کے لئے اپنے نمائندگان کا انتخاب کیا۔ اسی موقع پر محترم داعی تحریک نے مرکزی خلافت کمیٹی کے اراکین میں سے مختلف ارکان لوورن ذیل ذمہ داریاں تفویض فرمائیں۔

۱۔ جناب مختار حسین فاروقی
ناظم تحریک خلافت پاکستان

۲۔ جناب عبدالرزاق
سیکرٹری خلافت پاکستان

۳۔ سید معین الدین شاہ
ناظم بیت المال خلافت پاکستان

۴۔ جناب اقتدار احمد
ناظم نشرواشاعت خلافت پاکستان

۵۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر
ناظم تربیت خلافت پاکستان

۶۔ جناب ایس ایم انعام
محاسب خلافت پاکستان

--- ان چھ حضرات پر مشتمل مرکزی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس ۹ مئی ۹۳ء قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوا۔ دوسرا اجلاس لاہور میں ۲۴ مئی کو ہوا۔ اجلاسوں میں بہت سے تحریکی اور انتظامی امور پر مفصل تبادلہ خیالات کے بعد فیصلے کئے گئے۔

-- مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق درج ذیل چار مقامات پر جلسہ ہائے خلافت منعقد کئے گئے جن میں داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خصوصی طور پر خطاب فرمایا:

۱۔ ۲۵ مئی ۹۳ء مری۔ راولپنڈی ڈویژن
۲۔ ۱۳ جون ۹۳ء میانوالی سرگودھا ڈویژن
۳۔ ۱۷ جون ۹۳ء سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ ڈویژن
۴۔ ۲۳ جون ۹۳ء مظفر آباد۔ آزاد کشمیر ڈویژن

-- ۲ جولائی ۹۳ء بروز جمعہ مرکزی خلافت کمیٹی کی پہلی باقاعدہ میٹنگ قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے دس مختلف حصوں میں قائم علاقائی خلافت کمیٹیوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں تحریک کی گزشتہ کارکردگی، معاونین کی اب تک کی مجموعی تعداد اور مختلف علاقائی خلافت کمیٹیوں میں تعداد، گذشتہ تین ماہ کے دوران زر تعاون کے آمد و خرچ کی تفصیل، آئندہ کے لائحہ عمل پر غور اور دستور میں بعض اضافے اور ترامیم کی تفاصیل وغیرہ بیان کی گئیں۔

-- ۹ جولائی کو حلقہ سرحد کے ضلع دیر میں جلسہ خلافت منعقد کیا گیا۔ حاضری چار سو سے زائد تھی جن میں سے ایک سو افراد نے تحریک خلافت کی معاونت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔

-- ۱۲ جولائی کو حلقہ لاہور ڈویژن کے تحت مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن میں جلسہ خلافت کا انعقاد ہوا جس میں داعی تحریک محترم ڈاکٹر صاحب اور میجر جنرل ایم ایچ انصاری صاحب نے خطاب فرمایا۔ جنرل صاحب نے ملکی انتخابی سیاست سے مایوس ہو کر جے یو پی سے استعفیٰ دیا اور ۲ جولائی کو تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی تھی۔

-- یکم اگست ۹۳ء کو منعقدہ مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں محترم داعی تحریک نے جناب مختار حسین فاروقی صاحب کی جگہ محترم جنرل انصاری صاحب کو تحریک خلافت پاکستان کی نظامت علیاء کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ اجلاس میں دستور میں ایک ترمیم کے بعد درج ذیل اراکین مرکزی خلافت کمیٹی کو مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا۔

۱۔ سراج الحق سید لاہور
۲۔ محمد نسیم الدین کراچی
۳۔ ڈاکٹر عبدالخالق لاہور
۴۔ مختار حسین فاروقی ملتان
۵۔ شمس الحق اعوان راولپنڈی

محترم داعی تحریک کی امریکہ کے دعوتی دورے کے ضمن میں ملک سے طویل غیر حاضری کے پیش نظر یہ طے کیا گیا کہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع سے قبل ڈھائی ماہ کے عرصہ میں تحریک کے نئے ناظم اعلیٰ محترم جنرل انصاری صاحب کے ملک میں قائم دس حلقوں میں دعوتی و تعارفی پروگرام رکھے جائیں۔ چنانچہ علاقائی خلافت کمیٹیوں کے ناظمین کے مشورے سے ایک شیڈول تیار کیا گیا جس کے مطابق ہر حلقے میں ایک پریس کانفرنس' ایک جلسہ خلافت اور علاقائی خلافت کمیٹی کے اراکین سے میٹنگ طے پائی۔

حلقہ لاہور ڈویژن

۲۶ اگست ۹۳ء کو بعد نماز مغرب مین والٹن روڈ پر جلسہ خلافت منعقد کیا گیا جس میں مقامی مقررین کے علاوہ جنرل انصاری صاحب نے خطاب فرمایا۔ حاضری چار سو افراد کے لگ بھگ تھی۔ ۹ اگست کو فلیٹیز ہوٹل میں پریس کانفرنس سے جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔ اور ۹ ستمبر کو حلقہ لاہور ڈویژن کی خلافت کمیٹی کی میٹنگ ۴۔اے مزنگ روڈ پر منعقد ہوئی جس میں جنرل انصاری صاحب نے خصوصی ہدایات دیں۔

۱۴ اگست کو لاہور میں موٹر سائیکل ریلی کا اہتمام کیا گیا جس میں تین سو سے زائد معاونین تحریک نے شرکت کی۔ لگ بھگ ایک سو موٹر سائیکل اور گاڑیوں پر سوار معاونین تحریک نے ریلی میں حصہ لیا' ریلی میں خصوصی خطابات کئے گئے۔ جنرل ایم ایچ انصاری اور دیگر قائدین نے ریلی کی قیادت کی۔

حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن

۱۹ اگست بعد نماز عشاء پیپلز کالونی فیروز والا میں جلسہ خلافت منعقد کیا گیا جس میں مرزا ندیم بیگ' اور نعیم اختر عدنان صاحب کے علاوہ محترم جنرل انصاری صاحب نے خطاب فرمایا۔ حاضری دو سو کے لگ بھگ تھی۔ دوسرا جلسہ خلافت ۳ ستمبر کو ڈسکہ میں بعد نماز عشاء منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بھی مقامی مقررین کے علاوہ محترم جنرل انصاری صاحب نے خصوصی خطاب فرمایا۔ یہاں حاضری تین سو سے زائد تھی۔ اس حلقہ کی خلافت کمیٹی کے اراکین کے ساتھ ناظم اعلیٰ کا تعارف ہوا اور خصوصی میٹنگ ۱۸ اکتوبر کو صبح ۱۰ بجے حلقے کے دفتر واقع گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی۔ جنرل صاحب نے معاونین سے خصوصی رابطہ اور زر تعاون اکٹھا کرنے کے ضمن میں خصوصی ہدایات دیں اور دیگر انتظامی امور پر اراکین سے مشورہ کیا۔ اس حلقے میں پریس کانفرنس کا اہتمام بوجوہ نہیں کیا جاسکا۔

حلقہ ملتان ڈویژن

۳۰ اگست بعد نماز عشاء دولت گیٹ ملتان میں جلسہ خلافت منعقد کیا گیا۔ انجینئر مختار حسین فاروقی اور راقم کے خطاب کے بعد محترم جنرل انصاری صاحب نے خصوصی خطاب فرمایا۔ حاضری ڈیڑھ سو کے لگ بھگ رہی۔ ۳۱ اگست صبح نو بجے علاقائی خلافت کمیٹی ملتان ڈویژن کی خصوصی میٹنگ قرآن اکیڈمی ملتان میں منعقد ہوئی۔ دوپہر ۱۲ بجے ملتان پریس کلب میں پریس کانفرنس سے جنرل صاحب نے خطاب فرمایا اور صحافیوں کے سوالات کے جواب دیئے۔

حلقہ سرگودھا ڈویژن

۱۰ ستمبر کو بعد نماز عشاء محفوظ پارک پیپلز کالونی نمبر ۲ میں جلسہ خلافت منعقد ہوا۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر' مقامی کمیٹی کے سیکرٹری جناب انور کمال صاحب کے خطاب کے بعد محترم جنرل انصاری صاحب نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ موسم کی خرابی کے باعث حاضری ڈیڑھ سو افراد کے قریب تھی۔ ۱۱ ستمبر کو صبح دس بجے خلافت کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں جنرل صاحب پلاٹوں کی الاٹمنٹ کیس میں بری طرح مصروفیت کے باعث شرکت نہ کرسکے۔ راقم نے میٹنگ Conduct کی۔ یہاں پریس کانفرنس کا پروگرام جنرل صاحب کی مصروفیات کے باعث کینسل کرنا پڑا۔

حلقہ پشاور ڈویژن

۱۶ ستمبر ۹۳ء کو دوپہر ۱۲ بجے پشاور پریس کلب میں محترم جنرل صاحب نے تحریک نظام خلافت اور موجودہ حالات کے حوالے سے اظہار خیال فرمایا اور صحافیوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ اسی روز بعد نماز مغرب تحریک کے مقامی دفتر میں علاقائی خلافت کمیٹی کے اراکین سے خصوصی میٹنگ کا اہتمام تھا۔ اراکین کا جنرل صاحب سے تعارف کروایا گیا۔ ناظم تحریک جناب وارث خان صاحب نے تحریک کی سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ پیش کی اور آخر میں محترم جنرل صاحب نے اپنے خطاب میں تحریک کے کام کو تیز تر کرنے کے لئے مشورے اور ہدایات دیں۔ ۱۷ ستمبر کو پشاور کی تاریخی جامع مسجد گنج علی خان میں جلسہ خلافت میں راقم اور ڈاکٹر محمد مقصود صاحب کے خطاب کے بعد محترم جنرل صاحب نے مفصل خطاب فرمایا اور موجودہ مغربی جمہوری نظام کے مقابلے میں نظام خلافت کی برکات کو تفصیلاً پیش فرمایا۔ بعد نماز عصر مقامی چیسٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر محمد اقبال صافی صاحب کے مکان پر ایک عصرانے میں راقم اور جنرل صاحب نے تحریک خلافت کا تعارف اور اس کے مقاصد پر خطاب کیا۔

حلقہ بہاولپور ڈویژن

۲۷ ستمبر کو بعد نماز عصر گارنش پبلک سکول قذافی کالونی رحیم یار خان میں محترم جنرل صاحب نے مقامی صحافیوں سے خطاب کیا اور سوالوں کے جواب دیئے۔ بعد نماز مغرب مقامی جامع مسجد غوثیہ میں جلسہ خلافت میں راقم اور مختار حسین فاروقی صاحب کے علاوہ محترم جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔ ۲۸ ستمبر کو صبح ۱۰ بجے صادق آباد میں اقراء ڈگری کالج میں جنرل صاحب نے اساتذہ اور طلباء سے خطاب فرمایا۔ ۴ بجے سہ پہر مقامی صحافیوں سے نشست رہی اور بعد نماز مغرب آئس فیکٹری کے کھلے احاطے میں محترم جنرل انصاری صاحب کی صدارت میں جلسہ خلافت منعقد ہوا۔ مختار فاروقی اور راقم کے خطاب کے بعد جنرل صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں موجودہ جمہوری نظام کی خامیوں اور نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور اس کی برکات پر مفصل اظہار خیال فرمایا۔ جلسے میں حاضری ڈھائی سو کے لگ بھگ تھی۔ جلسے کے اختتام پر سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی۔ ۲۹ ستمبر کو صبح ۹ بجے مقامی گورنمنٹ کمرشل کالج میں جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔

حلقہ سندھ و بلوچستان

۲۹ ستمبر کو رات بعد نماز عشاء ایمن ولا ڈیفنس سوسائٹی میں محاسب تحریک خلافت پاکستان جناب ایس۔ ایم انعام صاحب کی رہائش گاہ پر جنرل صاحب

کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالئے میں شرکت ہوئی۔
۳۰ ستمبر کو دوپہر ۱۲ بجے کراچی پریس کلب میں جنرل صاحب نے صحافیوں سے مفصل خطاب فرمایا اور سوالات کے جواب دئے۔ بعد نماز مغرب کاسمو پولیٹن کلب میں جلسہ خلافت میں انجینئر نوید احمد اور راقم کے خطابات کے علاوہ محترم جنرل صاحب نے موجودہ انتخابی سیاست کی خامیوں کو طشت از بام کرتے ہوئے نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور برکات کی وضاحت فرمائی ۳۱ ستمبر صبح ۱۰ بجے جامع مسجد خضراء میں جنرل صاحب نے معاونین سے خطاب فرمایا۔ بعد نماز جمعہ نظام خلافت ریلی کی قیادت کرتے ہوئے مسجد خضراء سے جامع مسجد آرام باغ تک معاونین کے ہمراہ پیدل مارچ کیا۔ ریلی کے فوراً بعد تحریک کے دفتر میں تحریک خلافت حلقہ سندھ و بلوچستان کی کمیٹی کی خصوصی میٹنگ میں شرکت کی۔ اراکین کمیٹی سے تعارف، تحریک کی سرگرمیوں کا جائزہ اور مختلف تحریکی امور پر مشورہ اور تبادلہ خیالات ہوا۔ محترم جنرل صاحب نے آخر میں بعض اہم مشورے اور ہدایات دیں۔

حلقہ راولپنڈی ڈویژن

۱۵ اکتوبر کو صبح دس بجے علاقائی خلافت کمیٹی کی خصوصی میٹنگ حلقے کے دفتر میں منعقد ہوئی۔ مقامی ناظم نے اراکین کا تعارف کروایا اور تحریک کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ محترم جنرل صاحب نے ابتدا میں اراکین کو اظہار خیال کا موقع دیا اور آخر میں مشورے اور ہدایات دیں۔ جنرل صاحب محترم نے جامع مسجد بلاک آئی-۱۰ میں نماز جمعہ سے قبل خطاب فرمایا۔ بعد نماز مغرب البدر ہوٹل کمیٹی چوک میں محترم جنرل صاحب کی صدارت میں جلسہ خلافت میں پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے انھوں نے مغربی جمہوری نظام کو پاکستان کے لئے تمام خرابیوں کی جڑ قرار دیا اور نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور برکات سے روشناس کروایا۔ یہاں حاضری ڈھائی سو سے زائد تھی۔ انتخابات کے بعد غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر پریس کانفرنس کا پروگرام پہلے ہی کینسل کر دیا گیا تھا۔

حلقہ بنوں ڈویژن میں یہ پروگرام مقامی ذمہ دار حضرت کے عدم تعاون کے باعث منعقد نہیں ہو سکا۔ حلقہ آزاد کشمیر کو وقت کی قلت کے باعث شیڈول میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

محترم جنرل صاحب کے ان دوروں کے حلقوں کی کارکردگی پر بہت مفید اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ معاونین اور خصوصاً تحریک کے ذمہ دار ساتھیوں کے جذبہ عمل کو ان دوروں سے بہت مہمیز ملی ہے۔

مالیاتی نظام

مرکزی دفتر کے آغاز کے ساتھ ہی مقامی یونائیٹڈ بینک لٹن روڈ لاہور برانچ میں تحریک کے دستور کے مطابق دو کرنٹ اکاؤنٹ کھول دئے گئے تھے جن میں سے ایک اکاؤنٹ نمبر ۱۰۵۱-cd ہے جس میں تمام عطیات جمع ہوتے ہیں۔ اخراجات کے لئے دوسرا اکاؤنٹ نمبر ۱۰۵۲-cd ہے۔ محترم داعی تحریک مجلس عاملہ کے منظور کردہ اخراجات کے لئے رقوم پہلے اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کرتے ہیں۔ تحریکی اخراجات کے لئے دوسرے اکاؤنٹ سے ناظم اعلیٰ ناظم بیت المال اور سیکرٹری میں سے کوئی سے دو حضرات رقم نکلوانے کے مجاز ہیں۔ تحریک کا شعبہ اکاؤنٹ الحمد للہ باقاعدہ کام کا آغاز کر چکا ہے اور تمام مالی امور دستور کے مطابق انجام دئے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں تمام ضروری اسٹیشنری مثلاً واؤچرز، اخراجات گوشوارہ فارم، اکاؤنٹس رجسٹرز وغیرہ طبع کروائے گئے ہیں اور تمام حلقوں کو مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ حلقوں سے ماہانہ گوشوارے اور مرکز کے لئے ۲۵ فیصد زر تعاون بھی موصول ہونا شروع ہو گیا ہے۔ مقامی سطح پر معاونین سے زر تعاون کی وصولی کے ضمن میں بعض مشکلات کا سامنا ہے۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے کئی تجاویز زیر غور ہیں۔ توقع ہے جلد مناسب طریقہ کار اختیار کر لیا جائے گا۔

مرکزی و علاقائی دفاتر

تحریک کا مرکزی دفتر یکم مئی کے کنونشن کے فوراً بعد دوبارہ خلافت بلڈنگ ۴-اے مزنگ روڈ لاہور پر قائم کر دیا گیا تھا جہاں سے تمام علاقائی خلافت کمیٹیوں سے باضابطہ تحریری رابطہ قائم ہے۔ تحریک خلافت کے علاقائی دفاتر فی الحال تنظیم اسلامی یا انجمن خدام القرآن کے دفاتر ہی میں قائم ہیں۔ دو حلقے ایسے ہیں جہاں ابھی دفاتر قائم نہیں ہو سکے ایک آزاد کشمیر اور دوسرے بنوں ڈویژن۔

لٹریچر کی تیاری اور تقسیم

تحریک خلافت کے پیغام کو عام کرنے کے ضمن میں درج ذیل اقدام کئے گئے:

۱) تحریک کے تعارف کے ضمن میں آٹھ صفحات پر مشتمل پمفلٹ ایک لاکھ سے زائد طبع کروا کر مختلف مواقع پر تقسیم کیا گیا۔

۲) تحریک کے پیغام کو ایک خوبصورت چارٹ کی صورت میں پچیس ہزار کی تعداد میں طبع کروا کر پورے پاکستان میں حلقوں کے توسط سے نمایاں مقامات پر آویزاں کروا دیا گیا۔

۳) تحریک کے پیغام پر مشتمل خصوصی طور پر ڈیزائن کردہ کیلنڈرز شائع کئے گئے۔ علاوہ ازیں سات اسٹیکرز کا ایک سیٹ' کی رنگ اور بیج تیار کر کے لاگت کی قیمت پر فروخت کے لئے پیش کئے گئے۔

۴) تحریک کے لئے Insignia خصوصی طور پر باب پاکستان کے ڈیزائنر آرٹسٹ امجد علی چوہان صاحب سے تیار کروایا گیا۔

۵) تحریک کے تعارف کے ضمن میں آٹھ صفحات پر مشتمل پمفلٹ کا انگریزی میں ترجمہ کروا کر شائع کیا گیا۔

۶) نظام خلافت کی برکات پر مشتمل ایک ورقہ پمفلٹ پچاس ہزار سے زائد طبع کروا کر مختلف مواقع پر تقسیم کیا گیا۔

۷) آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کے ذریعے بھی تحریک کے پیغام کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

اس ضمن میں تمام قارئین ساتھیوں سے گزارش ہے کہ تحریک کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے تجاویز و مشورے' جملے' عبارات' تصورات' اور خیالات (Ideas) مہیا کریں تاکہ انہیں عملی شکل دے کر عام کیا جا سکے۔

حلقوں کی کارکردگی کا اجمالی جائزہ

گذشتہ دو تین ماہ کے دوران دس میں سے سات حلقوں میں باقاعدہ تحریکی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ ذمہ دار ساتھی اپنے فرائض کو ادا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان ساتوں حلقوں میں تحریک کا پیغام عام کرنے کے لئے عمومی اجتماعات' کانر میٹنگ' لٹریچر کی تقسیم' ذاتی رابطے جلسہ ہائے خلافت' خلافت سیمینارز اور نظام خلافت ریلیز وغیرہ کے پروگرام باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں البتہ معاونین تحریک کو جس تعداد میں ان پروگراموں میں شرکت کرنی چاہئے ابھی شریک نہیں ہو رہے۔ اس کے لئے ذمہ دار افراد کو مزید صبر آزما محنت اور مناسب

منصوبہ بندی کی ضرورت ہوگی۔

حلقہ پشاور میں ساتھیوں کے مقامی طور پر عمومی دعوتی اجتماعات کے علاوہ دو روزہ پروگراموں کے ذریعے تحریک خلافت کی آواز کو سرحد کے بہت سے دوسرے اہم شہروں تک پہنچانے کی انتھک کوشش کی ہے۔ ان شہروں میں خاص طور پر بنج پیر' مردان' سوات' تمرگرہ' باجوڑ اور دیر وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔ دیر اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ الحمدللہ تحریک خلافت کی دعوت سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہے اور وہاں سے اچھے نتائج کی توقع ہے۔

حلقہ راولپنڈی میں مقامی طور پر اور دیگر علاقوں میں بھی دعوتی اجتماعات بڑی باقاعدگی سے منعقد ہو رہے ہیں علاوہ ازیں دو روزہ پروگراموں کے ذریعے دعوت کو حلقے کے دور دراز علاقوں میں پہنچایا جا رہا ہے۔ اس حلقے نے خصوصیت کے ساتھ تحریک کی دعوت پر مشتمل دو پمفلٹ خود تیار کر کے کئی ہزار کی تعداد میں طبع کروا کر اپنے علاقے میں تقسیم کئے ہیں جو یقیناً تحریک کی دعوت کے اعتبار سے بیجوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حلقہ گوجرانوالہ میں خلافت کمیٹی پوری طرح منظم نہیں ہو پا رہی لیکن تحریک کے ناظم اور سیکرٹری انفرادی حیثیت میں تحریک کی دعوت کو حلقے کے گاؤں گاؤں میں پہنچانے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہیں تحریک کے مرکز گوجرانوالہ شہر میں ابھی دعوت جڑ نہیں پکڑ سکی لیکن آس پاس کے دیہات میں کافی وسیع علاقے میں تحریک کا تعارف کروا دیا گیا ہے۔

حلقہ لاہور میں الحمد اللہ کافی منظم طریقہ پر تحریک کی دعوت کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ دس سے زیادہ مقامات پر ہفتہ وار دعوتی پروگرام منعقد ہو رہے ہیں۔ جبکہ کارنر میٹنگ' نظام خلافت ریلیز اور ٹی بورڈ مہموں کے ذریعے دعوت کو بڑی تیزی سے متعارف کروایا جا رہا ہے۔ صرف ماہ ستمبر میں لاہور میں پندرہ مختلف علاقوں میں ٹی بورڈ مہموں کے ذریعے موجودہ ظالمانہ نظام کی مذمت اور نظام خلافت کی برکات سے عوام کو روشناس کروایا گیا۔

حلقہ سرگودھا کے ساتھی بھی ماشاء اللہ بڑی فکر مندی سے اپنے مشن میں مصروف ہیں۔ فیصل آباد میں معمول کے دعوتی پروگراموں کے علاوہ دو روزہ پروگراموں کے ذریعے حلقے کے دور دراز علاقوں میں چھوٹی چھوٹی کارنر میٹنگ اور مساجد میں مختلف نمازوں کے بعد تحریک خلافت کو بڑی حد تک متعارف کرانے کی سعی کرتے ہیں۔ لٹریچر بھی کافی تعداد میں مقامی سطح پر ہی تیار کر کے اپنے حلقے میں پھیلانے میں مصروف ہیں۔

حلقہ ملتان میں ساتھی بڑی مستقل مزاجی سے تحریک کی دعوت کو عام کرنے کے مختلف انداز اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کارنر میٹنگز' دعوتی اجتماعات' دو دو روزہ پروگراموں سیمینارز اور تربیتی نشستوں کے ذریعے تحریک کی دعوت لوگوں تک پہنچائی جا رہی ہے۔ علماء حضرات سے بھی خصوصی رابطے کے ذریعے تحریک خلافت کو متعارف کروایا جا رہا ہے۔

حلقہ بہاولپور میں کمیٹی کے اراکین کسی منصوبہ بندی کے ذریعے کام نہیں کر سکے۔ انفرادی حیثیت میں مختلف ساتھی تحریک کے پیغام کو عام کرتے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ کے دورہ کے نتیجے میں الحمدللہ دوبارہ کمیٹی کے اراکین کو مجتمع کر کے لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے۔ توقع ہے آئندہ یہاں تحریک کا کام منظم طور پر آگے بڑھ سکے گا۔

کراچی سے ماہانہ کارکردگی رپورٹ باقاعدگی سے موصول نہیں ہو سکی اس لئے وہاں کی سرگرمیوں کے بارے میں حتمی طور پر کچھ عرض کرنا قدرے مشکل ہے تاہم دوسرے ذرائع سے جو معلومات تحریک کی سرگرمیوں کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق کراچی میں بعض اسباب کے باعث تحریک کا مرکزی نظم کئی ماہ تک صحیح طور پر کام نہیں کر سکا۔ نتیجتاً مقامی سطح پر معاونین سے رابطے میں بھی کمی رہی اور مرکز بھی تحریکی سرگرمیوں سے لاعلم رہا۔ زر تعاون کی وصولی کے ضمن میں بھی بعض اسباب کے باعث پیش رفت نہیں ہو سکی۔ البتہ عمومی دعوتی اجتماعات اور اخبارات میں بیانات اور مضامین کے ذریعے تحریک کے پیغام کو عام کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ گذشتہ ماہ کے دورۂ ناظم اعلیٰ کے نتیجے میں الحمدللہ صورت حال کافی بہتر ہوئی ہے۔ تحریک کا داخلی نظم بھی مستحکم ہوا ہے اور ذمہ دار ساتھی متحرک بھی ہوئے ہیں۔

حلقہ بنوں اور حلقہ آزاد کشمیر مقامی غیر مفید حالات کے باعث ابھی ٹھیک سے منظم نہیں ہو سکے اگرچہ دونوں مقامات پر کافی محنت ہوئی ہے۔ بہرحال کوشش جاری ہے توقع ہے کہ ہم اگلے چند ماہ میں ان دونوں حلقوں کی اپنی مساعی میں اولیت دے کر فعال بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

محترم جنرل انصاری صاحب کے دوروں کے اثرات

محترم جنرل انصاری صاحب کے حلقوں کے دوروں کے بہت مفید اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ معاونین اور تحریک کے ذمہ دار ساتھیوں کے جذبہ عمل کو ان دوروں سے بہت مہمیز ملتی ہے۔ مقامی نظم زیادہ فعال ہوا ہے۔

آئندہ کے لئے لائحہ عمل

آئندہ ہمیں کچھ وقت تحریک کے انتظامی ڈھانچے کے مزید استحکام پر صرف کرنا ہے۔ اس کے لئے تحریک کے ناظم اعلیٰ حلقوں کے ناظمین کو جلد ہی ہدایات جاری کریں گے۔ معاونین سے ذاتی رابطے کو زندہ اور متحرک بنانا ہے۔ اس کے لئے چھوٹے یونٹس بنانے کے لئے تجاویز مرتب کی جا رہی ہیں۔ حلقہ لاہور میں اس کا تجربہ کیا گیا ہے جو کامیاب رہا ہے۔

معاونین تحریک کی اخلاقی و عملی تربیت کے لئے تجاویز زیر غور ہیں۔ ان کو بھی جلد ہی حتمی صورت دے دی جائے گی۔ تمام حلقوں میں جلسہ ہائے خلافت' نظام خلافت ریلیز' منکرات کے خلاف مظاہرے' کارنر میٹنگز اور دیگر دعوتی و تربیتی پروگرام پہلے سے بڑھ کر اور زیادہ منظم طریقے پر کرنے کے لئے ششماہی بنیادوں پر پلاننگ کی جا رہی ہے جسے جلد ہی ندائے خلافت میں شائع کر دیا جائے گا۔

موجودہ ملکی حالات میں تحریک خلافت کا پیغام زیادہ موثر اور آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ حالیہ الیکشن میں سیکولر عناصر کی کامیابی اور دینی جماعتوں کی افسوس ناک ناکامی نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام' نظام مصطفیٰ یا نظام خلافت کا قیام اسلامی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مختلف دینی جماعتوں کے مخلص کارکن انتخابی طریقہ کار سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ موقع ہے کہ ان کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ یہ طریقہ انقلاب اور نظام خلافت کی برکات کو رکھا جائے۔ وہ یقیناً ہماری ندائے خلافت پر لبیک کہتے ہوئے غلبہ دین کے اس مشن میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم اس وقت اس پیغام کو پوری ہمت اور یقین کے ساتھ ایسے لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کر سکیں۔

تحریک خلافت کا ترجمان

ندائے خلافت

تحریک کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے کے لئے پندرہ روزہ ندائے خلافت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کی اشاعت میں الحمدللہ بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ تحریک کے پیغام کو واضح اور مدلل صورت میں دوست احباب تک پہنچانے کے لئے ندائے خلافت کو ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ ایک مہم کی صورت میں اپنے لئے خود ہی طے کر لیجئے کہ آپ اتنے افراد کو ندائے خلافت کا سالانہ خریدار بنائیں گے اور اتنے افراد تک پرچہ خود خرید کر پہنچائیں گے۔ ندائے خلافت کی سالانہ / ششماہی خریداری کے لئے کوپن تیار کئے گئے ہیں' آپ مرکز تحریک سے اپنی ضرورت کے مطابق طلب کر سکتے ہیں۔

تعداد معاونین خلافت ضلع وار

حلقہ لاہور

لاہور--۶۲۴' قصور--۸۴' اوکاڑہ -- ۱۶' ساہیوال -- ۴۸' پاکپتن --۱-- میزان --۷۷۳

حلقہ گوجرانوالہ

گوجرانوالہ -- ۱۰۲' سیالکوٹ -- ۸۷' شیخوپورہ -- ۶۴' گجرات --۱۲۷' نارووال --۸' میزان --۳۸۸

حلقہ فیصل آباد

فیصل آباد --۱۴۶' سرگودھا --۱۱۴' خوشاب --۱۴' میاں والی --۵۹' ٹوبہ ٹیک سنگھ --۷' میزان --۳۴۰

حلقہ بہاولپور

رحیم یار خان --۴۱' بہاولپور --۲۰' میزان --۶۱

حلقہ راولپنڈی

راولپنڈی --۲۰۲' اسلام آباد --۷۶' جہلم --۱۳' اٹک --۱۱' چکوال --۵۷' ایبٹ آباد --۸۸' میزان --۴۴۷

حلقہ ملتان

ملتان --۱۲۳' وہاڑی --۲۵' خانیوال ۱۴' لیہ --۶' راجن پور --۳' جھنگ --۱۱' مظفر گڑھ --۴' بہاولنگر --۹' ڈیرہ غازی خان --۶' بھکر --۵' میزان --۲۰۶

حلقہ سرحد

پشاور --۷۵' چارسدہ --۸' صوابی --۴۸' کوہاٹ --۱۰' مردان --۱۷' ہری پور --۵۳' گلگت --۷' مالاکنڈ --۲' سوات --۱۲' نوشہرہ --۷' کرک --۱' کوہستان داسو --۱۷' مانسہرہ --۲۷' دیر --۵۸۵' بنگرام --۳۵' ٹانک --۱' بونیر --۱' میزان --۹۰۵

حلقہ بنوں

بنوں --۱۲۸' ڈیرہ اسماعیل خان --۱۷' میزان --۱۴۵

حلقہ سندھ

کراچی --۲۶۴' حیدر آباد --۲۶' سکھر --۱۶' دادو --۱۶' ٹھٹھہ --۷' نوشہروفیروز --۳' نواب شاہ --۲' خیرپور --۱' شکارپور --۱' سانگھڑ --۲' جیکب آباد --۳' کوئٹہ --۲۹' میزان --۳۷۶

حلقہ آزاد کشمیر

مظفر آباد --۲۱۶' باغ --۱۲۰' کوٹلی --۱' پونچھ --۱' میرپور --۲۷' میزان --۳۶۵

کل تعداد --۴۰۰۶

سعودی عرب سے

ہمارے قاری عبدالودود خاں کا مکتوب

ندائے خلافت کے ۱۳ ستمبر کے شمارہ میں "جگر لخت لخت" کے تحت جناب کے ایم اعظم کے مضمون میں مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر دھچکہ لگا اور حیرت ہوئی کہ آپکے موقر ہفت روزہ میں ایسی عبارت کیسے چھپ گئی جس سے سود کو جاری رکھنے کا جواز پیدا ہوتا ہو:۔

"اسی طرح مروجہ استحصالی نظام کے تحت سود کا خاتمہ امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کرے گا جبکہ اسلام اس لئے سود کو حرام قرار دیتا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو" میں کئی روز تک غور کرتا رہا کہ شاید میں اس عبارت کی غایت کو سمجھنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ پھر ایک تنظیم اسلامی کے رفیق سے بات کی تو یہی طے پایا کہ اس سے سود کے جاری رکھنے کا جواز نکلتا ہے اور یہ کہ اس پر میرا اعتراض صحیح ہے۔ اس لئے یہ خط تحریر کر رہا ہوں۔ براہ کرم اس خط کو ندائے خلافت کے اگلے شمارہ میں شائع کردیں اور اگر مناسب سمجھیں تو آپ اپنی طرف سے بھی اپنی سوچ کے مطابق کچھ تحریر کریں۔ اعظم صاحب کے باقی خیالات قابل تعریف ہیں اور ان سے مجھے اتفاق ہے۔

مروجہ استحصالی نظام میں استحصال کا سب سے بڑا آلہ کار تو سود ہی ہے اور اسی کے ذریعہ امیر امیر تر ہوتے جارہے ہیں اور غریب غریب تر۔ مروجہ سودی نظام میں سرمایہ دار بینکوں میں لوگوں کی جمع کی ہوئی رقم سے سود پر قرض لیتے ہیں اور اپنے کارخانوں اور تجارتی اداروں میں لگا کر منافع کماتے ہیں۔ سود کو خرچ شمار کیا جاتا ہے جس سے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور سود کی رقم پر بھی منافع لیا جاتا ہے جس کا بوجھ عوام الناس پر پڑتا ہے اور اس طرح سرمایہ داروں کے منافع میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ امیر سے امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور عوام الناس گرانی کے تحت دبتے چلے جاتے ہیں اور غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ کیمونسٹ ملکوں میں اسلامی نظام رائج نہ ہونے کے باوجود سود کی ممانعت ہے لہٰذا وہاں اور معاشرتی برائیاں تو ہیں لیکن ارتکاز دولت چند ہاتھوں میں ہرگز نہیں ہے اور سود کی عدم موجودگی میں یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ جبکہ سرمایہ دار ملکوں میں جہاں جہاں سود کا دور دورہ ہے ارتکاز دولت نمایاں ہے۔ ہمارے ملک میں بھی ارتکاز دولت جس کی اسلام قطعی اجازت نہیں دیتا کو روکنے کا یہی واحد طریقہ ہے کہ سود کو قطعی طور پر ختم کیا جائے۔

یہ استحصالی طبقوں کا استدلال ہے اور شیطانی وسوسہ ہے کہ سود کو ختم کرنے سے معیشت تباہ ہو جائیگی یا جب تک نظام تبدیل نہیں ہوتا سود ختم نہیں کیا جاسکتا۔ سود جس معاشرہ میں بھی ہوگا اپنی تباہ کاری کریگا اور ارتکاز دولت کو فروغ دے گا۔ مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں مسند احمد کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں سود کا رواج عام ہو جائے اللہ تعالیٰ اس پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے۔ لہٰذا گرانی سے نجات پانیکے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ سود کا خاتمہ کیا جائے۔

آپ کی رائے قابل قدر ہے۔ مقالہ نگار کی یہ بات ہمیں بھی کھٹکی تھی لیکن "مروجہ استحصالی نظام کے تحت" یہ خیال کچھ بہت غلط بھی نہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ غیر سودی تجارتی قرضوں سے بھلا کس کا ہوگا؟..... ادارہ

شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا

قاضی بھٹو سے بھی آگے نکل گئے ہیں

جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ انہوں نے یہ استعفیٰ گزشتہ روز تحریری طور پر لکھ کر امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد نے دفتر میں پہنچا دیا۔ استعفیٰ دینے کے بعد نمائندہ خبریں سے بات چیز کے دوران انہوں نے بتایا کہ میں نے مجلس شوریٰ کے موجودہ اجلاس میں آخر میں تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ میں اب نہیں آؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ میں پاسبان اور پاکستان اسلامک فرنٹ کی تشکیل کے خلافت تھا۔ اور میں نے اسی لئے استعفیٰ دیا ہے۔ ایسی تنظیمیں جن کا سرے سے کوئی معیار ہی نہیں جو چاہے شامل ہو جائے۔ اگر اس طرح کی تنظیمیں اگر کوئی مثبت کردار ادا کر سکتیں تو پھر پہلے ہی بہت سی موجود ہیں۔ جماعت اسلامی تو ایک خاص نظریہ کے لوگوں کے لئے بنائی گئی تھی کہ جو اس دعوت فکر سے متفق ہے وہ اس میں شامل ہو جائے۔ اس میں شامل ہونے کے لئے اخلاقی کردار و نظریات کی کچھ شرائط ہیں مگر پاکستان اسلامک فرنٹ اور پاسبان کے ذریعے نوجوانوں کی ایک بھیڑ ہے جو چاہے' جس کا کردار جس اخلاق کا ہے اس کو بھرتی کرتے چلیں کی پالیسی اپنائی گئی۔ انہوں نے پہلے جماعت اسلامی کے دروزے یوں کھولنے کی کوشش کی مگر شوریٰ نے کامیاب نہ ہونے دیا پھر انہوں نے یہ دوسرا راستہ اپنایا اور سیاست کے لئے پاکستان اسلامی فرنٹ تشکیل دیا اور کہا کہ جماعت اپنی دعوت اور تبلیغ کا کام کرے' یہ تو حقیقت میں جمعیت علماء ہند کی پالیسی تھی کہ سیاست کانگریس کے پلیٹ فارم سے اور تبلیغ جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے' اسی کو رد کر کے تو مولانا مودودی نے جماعت اسلامی بنائی تھی۔ میاں طفیل محمد نے بتایا کہ مجلس شوریٰ نے پہلے تو پاکستان اسلامک فرنٹ کی سکیم کو مسترد کر دیا تھا مگر بعد میں انہوں نے ۲۴ کو کنونشن کا اعلان کر کے ۲۳ کو مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا لیا لہٰذا شوریٰ نے صرف تجربہ کرنے کے لئے اس کی اجازت دی۔ بلکہ جماعت اسلامی کے پنجاب کے امیر نے تب ہی کہہ دیا تھا کہ اگر آپ جماعت اسلامی کی بجائے کسی اور پلیٹ فارم سے الیکشن لڑیں گے تو پھر آپ کو پنجاب سے ایک بھی سیٹ نہیں ملے گی لیکن ظاہری بات ہے کہ لوگوں نے اس کی مخالفت تو کی مگر صورتحال یہ تھی کہ "بو ہے آئی جنج ت وہنوں کڑی دے کن" موجودہ انتخابی مہم کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس انتخابی مہم میں جو کچھ ہوا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو نے جو طریقے استعمال کئے ہیں قاضی حسین احمد اس سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ بھٹو نے بھی بداخلاقی کے وہ بول نہیں بولے تھے وہ بڑھکیں نہیں ماری تھیں جو قاضی صاحب نے ماری ہیں' جو ڈانس کئے گئے ہیں جو بھنگڑے ڈالے گئے ہیں' جو پنجابی بولیوں کی طرز میں غلیظ زبان میں ترانے گائے گئے ہیں اور جس طرح اس شخص کو عوام کے ذہن پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی مثال جماعت اسلامی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مجلس شوریٰ میں لوگوں نے استعفیٰ کا مطالبہ کیا اور کہا کہ آپ کو اسی وقت مستعفی ہو جانا چاہئے تھا جب سارے نتائج آپ کے سامنے تھے مگر انہوں نے کہا کہ میں چند آدمیوں کے مطالبہ پر استعفیٰ کیوں دوں اس سے تو جماعت اسلامی میں بحران پیدا ہو جائے گا اور پھر مجلس شوریٰ میں ان کے ہمنواؤں کی کمی بھی نہیں لہٰذا عدم اعتماد کے لئے دو تہائی اکثریت ضروری ہے جو ممکن نہیں۔ قاضی حسین احمد نے تین مرتبہ مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی ہے اور جماعت کے دستور میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرنے والا رکن تو رہ سکتا ہے مگر کسی عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں نے اس سے پہلے بھی دو دفعہ استعفیٰ دیا مگر دوستوں کے کہنے پر واپس لے لیا لیکن اب جب کہ قاضی حسین احمد نے جماعت اسلامی کو بالکل تبلیغی جماعت بنا دیا ہے تو میں نے استعفیٰ دیا مگر دوستوں کے کہنے پر واپس لے لیا —— اب آپ دیکھیں کہ ایک شخص بیک وقت امیر جماعت اسلامی بھی ہے پاسبان کا سرپرست اعلیٰ اور اسلامک فرنٹ کا صدر بھی ہے۔ یہ لوگ ضیاء الحق کو تو کہتے تھے کہ اس کی کتنی ٹوپیاں ہیں اب امیر جماعت اسلامی کی خود کتنی ٹوپیاں ہیں۔ میرے خیال میں اس وقت کم سے کم جو قدم اٹھانا چاہئے وہ یہ ہے کہ قاضی حسین احمد اپنے اسلامک فرنٹ کو اور اپنی پاسبان کو لے کر جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا کہ ہمارا اسلامک فرنٹ اور پاسبان کا مرکز اسلام آباد میں ہوگا یہ وہاں چلے جائیں اور جماعت اسلامی کو جماعت اسلامی کے حوالے کر دیں۔ اب جبکہ پاسبان اور اسلامک فرنٹ اتنی بڑی بڑی جماعتیں بن گئی ہیں لاکھوں لوگ اس میں شریک ہیں اب آخر ان کو جماعت اسلامی کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب جماعت اسلامی ان کے مقاصد پورے نہیں کر سکتی۔ انہوں نے کہا کہ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ امریکہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے اور کام وہی کیا جو امریکہ چاہتا تھا۔ بینظیر کو پاکستان پر مسلط کیا سارا زور اس بات پر لگا دیا گیا کہ میاں نواز شریف اور اس کے ساتھی نہ آنے پائیں۔ میاں طفیل محمد نے کہا کہ قاضی حسین احمد کو صرف جماعت اسلامی کے کارکن چاہئیں اور انہیں جماعت اسلامی سے اور کوئی مطلب نہیں اسی لئے تو انہوں نے فرنٹ بنایا کہ یہ ان کے مقاصد پورے کر سکے۔ ان کا صرف ایک مقصد ہے کہ حکومت بنائی جا سکے اور قومی اور بین الاقوامی لیڈر بنا جا سکے۔ ان کو یہ ہے کہ جلدی سے جلدی اقتدار میں آیا جائے اور اسلام کو ڈنڈے سے نافذ کریں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس قسم کے لوگ اکٹھے کر کے اسلام آ سکتا ہے تو پھر مسلم لیگ تو اس سے بہتر جماعت تھی۔ اس طرح کی جماعتوں نے جو کچھ پاکستان کو دیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ کیا دیں گے ان پارٹیوں نے تو پھر بھی کھا پی کر پیٹ بھر لیا۔ آپ تو سب بھوکوں کو لائیں گے یہ تو وہ لوٹ مچائیں گے کہ عوام پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ سب کو بھول جائیں گے۔ پاکستان اسلامک فرنٹ کی موجودہ انتخابی مہم کے

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

انتخابی نتائج پر گفتگو بہت دن چلے گی

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر

نثار احمد ملک

مذہبی جماعتوں کی کثرت میں وحدت کی تلاش کار عبث ہے

موجودہ سیاسی صورتحال اور حالیہ انتخابات میں دینی سیاسی جماعتوں کے کردار کے حوالے سے "ندائے خلافت" میں کچھ زیادہ ہی تلخ و شیریں مواد قارئین کو ملا ہے۔ ممکن ہے ہمارے بعض احباب کو یہ باتیں پسند نہ آتی ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں جو کچھ عرض کیا جاتا ہے وہ نصح و خیر خواہی کے جذبہ سے ہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں لکھنے والے نہ ہی پیشہ ور صحافی ہیں جنہیں اپنے کالم کا پیٹ بھرنے کے لئے دینی جماعتوں پر کیچڑ اچھالنے کے علاوہ کچھ ملتا نہیں اور نہ ہی ندائے خلافت کے قارئین سیاست کے اس گھناؤنے کھیل میں شریک ہیں کہ ان کی ضرورت پورا کرنے کی غرض سے کردار کشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ اس کے علاوہ یہ لوگ کسی خاص فرقہ پرستانہ پس منظر کے حامل بھی نہیں ہیں کہ اپنے مخالف فرقے کے زعماء کی توہین کو اپنے لئے کار ثواب سمجھتے ہوں بلکہ اس سب کے برعکس دینی جماعتوں کے زعماء اور کارکنوں کی خدمت میں اگر کچھ عرض کیا جاتا ہے تو دینی رشتہ کی بناء پر اور حق نصح و خیر خواہی کے تحت۔۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

درحقیقت ان سطور میں بھی ہمارے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں جنہیں موجودہ سیاسی صورتحال اور انتخابی نتائج نے مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیل دیا ہے اور جو ملک عزیز کو سیکولرزم کی طرف جاتے ہوئے آبدیدہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں' جو دینی سیاسی جماعتوں کے کردار سے مایوس ہیں اور اس پر قیامت یہ کہ ان کے سامنے کوئی راستہ بھی نہیں کہ جائیں تو جائیں کہاں۔ ایک طرف وہ دیکھتے ہیں کہ گزشتہ پچاس سال کی انتخابی سیاست لاحاصل رہی اور دوسری طرف انہیں دین کے غلبہ کے لئے کام کرنے والوں کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے ان مصائب کو دیکھ رہے ہیں جن سے اہل حق کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کی خدمت میں ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ۔

مجاہدوں سے کہو اس قدر نہ ہوں دل تنگ
کہیں کہیں سے ذرا مڑ گئی ہیں شمشیریں

ہم دین اسلام کے غلبہ کے لئے کام کرنے والوں سے مایوس نہیں ہیں۔ ہمیں ان سے توقع ہے کہ ان میں سے بہت سی سعید روحیں ہمارے موقف کی صداقت پر صاد کہیں گی۔

ان سطور میں اس بات پر غور و فکر کیا جائے گا کہ دینی سیاسی جماعتیں پچاس سالہ سیاسی کھیل میں ناکام کیوں رہیں۔ ان کے لئے ہر پہلے کے بعد دوسرا الیکشن کیوں بھاری رہا اور آہستہ آہستہ وہ اس کھیل میں کیوں غیر موثر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس مسلسل ناکامی کے باوجود ان جماعتوں نے کوئی متبادل راستہ کیوں اختیار نہ کیا؟

جہاں تک تعلق ہے پہلے سوال کا کہ دینی سیاسی جماعتیں سیاست کے میدان میں ہر بار شکست و ہزیمت سے کیوں دوچار رہی ہیں تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ دینی سیاسی جماعتوں میں سے ایک جماعت اسلامی کے سوا کسی جماعت کی پشت پر کوئی واضح فکر کار فرما نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر مذہبی سیاسی جماعتیں جماعت اسلامی کی سیاسی مہم جوئی سے متاثر ہو کر پاکستان میں محترک ہوئیں کہ "آؤ ہم بھی سیہ کریں کوہ طور کی"۔ کسی دینی سیاسی جماعت کے پاس اتنا فکری و علمی اثاثہ نہیں ہے جتنا کہ جماعت اسلامی کے پاس ہے۔ جماعت اسلامی کے علاوہ باقی تمام جماعتیں کسی خاص مسلک و فرقہ کی نمائندہ جماعتیں ہیں۔ اگرچہ یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ موجود رہے گی کہ وہ جماعت جو ایک گہری فکری اساس پر قائم ہوئی تھی اب وہ بھی ایک فرقہ کی شکل اختیار کر چکی ہے لہٰذا وہاں بھی اب "مولانا مودودیؒ" کی فرمائی ہوئی ہر تعبیر کو عین شریعت مانا جارہا ہے اور اس کا تحفظ اپنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال جماعت کے علاوہ باقی تمام مذہبی سیاسی جماعتیں فرقہ ورانہ پس منظر کی حامل ہیں۔

چنانچہ جمعیت علماء اسلام دیوبندی مکتبہ فکر کی نمائندہ جماعت ہے جو جمعیت علماء ہند کا ہی پاکستانی ایڈیشن ہے۔ اس کے رہنما اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے مکتبہ فکر کے علاوہ کسی دوسرے مکتبہ فکر کے افراد کے لئے اس جماعت میں گنجائش نہیں ہے۔ گویا یہ دیوبندی اسلام کی پرچارک جماعت ہے۔ اسی طرح جمعیت علماء پاکستان بریلوی مکتبہ فکر کی نمائندہ جماعت ہے۔ یہ جماعت در حقیقت جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کا رد عمل ہے۔ اس جماعت کے بانیوں میں مولانا حامد بدایونی' مولانا احمد سعید کاظمی اور نورانی میاں جیسی شخصیتیں شامل ہیں۔ لہٰذا اس جماعت میں بھی کسی دوسرے مکتبہ فکر کے افراد کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ جمعیت اہل حدیث کے تو نام میں بھی اس فرقہ کا تاثر پوری طرح نمایاں ہے۔ اس طرح اسلام پسند حضرات جیسے مذہبی لحاظ سے مختلف فرقوں میں منقسم تھے اسی طرح سیاسی لحاظ سے بھی بٹ کر رہ گئے۔ ان حالات میں انتخابی میدان میں کامیابی کیسے ممکن ہے۔ جو تلخی و تشدد اعتقادی اعتبار سے پایا جاتا ہے اسی کی جھلک میدان

سیاست میں بھی نظر آتی رہی۔ یہ فرقہ وارانہ تعصب سیاسی میدان میں بھی اتحاد و تعاون کے راستے میں حائل رہا ہے۔ اس طرح لادینی قوتوں کے لئے کوئی متحدہ قوت کسی دور میں بھی معرض وجود میں نہ آسکی۔

دوسری وجہ اس ناکامی کی یہ ہے کہ مذہبی جماعتیں تقسیم در تقسیم کے عمل سے ہر دور میں دوچار رہی ہیں۔ ایک تو تقسیم کی مندرجہ بالا صورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ داخلی طور پر بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہی ہیں۔ چنانچہ ایک ہی مکتبہ فکر کی جماعتیں کئی کئی دھڑوں میں تقسیم ہوگئیں۔ جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا ہے کہ ان جماعتوں کی پشت پر کوئی گہرا فکر کار فرمانہ تھا اسی طرح یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی کسی بہت بڑے نظریاتی اختلاف یا فکری بنیاد پر نہیں ہوئیں بلکہ ان کی پشت پر بھی محض شخصیات کا باہمی ٹکراؤ تھا۔ چنانچہ جمعیت علماء اسلام بھی مختلف دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ پہلے یہ مولانا ہزاروی گروپ اور مولانا مفتی محمود گروپ کی شکل میں تقسیم رہی۔ اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن گروپ اور مولانا درخواستی گروپ میں منقسم ہوگئی کیونکہ مولانا فضل الرحمٰن ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف ایم آر ڈی کے نام سے بننے والے اتحاد میں شریک ہوگئے تھے جبکہ مولانا درخواستی کے ساتھ بہت سے علماء نے ضیاء الحق مرحوم کا ساتھ دیا۔ کچھ ہی عرصہ قبل مولانا درخواستی نے مولانا فضل الرحمٰن کی غلطیوں کو معاف کر دیا اور اپنے ساتھ ملا لیا نتیجۃً مولانا سمیع الحق نے اپنا علیحدہ گروپ تشکیل دے لیا۔ اس وقت بھی کسی گہرے فکری اختلافات کی وجہ سے جمعیت دو حصوں میں منقسم نہیں بلکہ مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق کے درمیان قیادت کی جنگ جاری ہے۔ جمعیت اہل حدیث کے مختلف ادوار میں جو مختلف گروپ رہے ہیں ان کا شمار کرنا بھی ممکن نہیں ہے حالانکہ اعتقادی اور فقہی اعتبار سے ان تمام گروہوں میں کامل مطابقت ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ سب سے چھوٹی اقلیتی جماعت ہے لیکن یہ تمام باتیں بھی جمعیت اہل حدیث کو متحد نہیں رکھ سکیں۔

جمعیت علماء پاکستان ۹۰ء کے انتخابات سے قبل تک متحد رہی ہے لیکن اس جماعت کے دو بزرگ ترین رہنماؤں میں اختلاف پیدا ہوئے لہٰذا یہ جماعت بھی اس وقت دو گروپوں میں تقسیم ہے۔ ایک گروپ کی قیادت مولانا نورانی میاں کرتے ہیں اور دوسرے گروپ کی قیادت مولانا عبدالستار خان نیازی کر رہے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان جو اختلافات اب تک سامنے آئے ہیں ان میں سے ایک تو مولانا نیازی کا یہ شکوہ ہے کہ مولانا نورانی عورت کی سربراہی کے قائل ہیں اور بے نظیر کی حمایت کرتے ہیں جبکہ مولانا نورانی کو مولانا نیازی سے یہ گلہ ہے کہ وہ آمریت کی پیداوار کی گود میں کیوں جا بیٹھے ہیں۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نظریاتی اختلاف ایسا نہیں کہ جس کی بنیاد پر جماعت کے حصے بخرے کر دیئے جائیں بلکہ اصل تصادم شخصیات کا ہے۔ ہمارے رجال دین انا کے بت کو توڑنے سے قاصر ہیں۔ یہی انا کا بت انہیں ایک دوسرے کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ جماعتوں کی اس تقسیم در تقسیم کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ۔

الٰہی خیر میرے کارواں کی
جسے دیکھو وہ میر کارواں ہے

دینی سیاسی جماعتوں کی اس کثرت و بہتات کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ سیاسی میدان میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کی جاسکے۔ ان جماعتوں کو دیکھتے ہوئے تو ایک ایسا ووٹر جو اسلام کے لئے ووٹ کاسٹ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ کس کے اسلام کو ووٹ دیا جائے!

ایک وجہ یہ ہے کہ دینی سیاسی جماعتوں نے اپنی جماعتوں کو منظم بھی نہیں کیا۔ ان کے ہاں کوئی واضح تنظیمی ڈھانچہ ہے نہ اپنے کارکنوں کی دینی و سیاسی تربیت کا کوئی اہتمام' بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے علاوہ کسی جماعت کے پاس کوئی تربیت یافتہ کارکن موجود ہی نہیں ہے لہٰذا ان جماعتوں کا پیغام عوام تک نہ پہنچ سکا اور یہ اپنے مسلکی حلقے میں محدود ہو کر رہ گئیں۔ ان کی پزیرائی ان حلقوں تک ہی محدود رہی جہاں متعلقہ مسلک کا اثر رسوخ زیادہ تھا۔ لہٰذا ان کے ہاتھ چند سیٹوں کے علاوہ کچھ نہ آیا اور وہ سیٹیں بھی مختلف جماعتوں کے ساتھ اتحاد کے نتیجے میں ملتی رہی ہیں۔ اپنی بنیاد پر تو ایک الیکشن ہی لڑا ہے تو اپنی حیثیت کا اندازہ ہوگیا ہے۔۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرہ تو اک قطرۂ خون نکلا

اس کے علاوہ ایک اور اہم بات جو سیاسی جماعتوں کی مسلسل ناکامی کا سبب بنی' یہ ہے کہ ان جماعتوں کو کسی دور میں بھی کوئی قد آور سیاسی شخصیت میسر نہ آسکی چنانچہ قیادت کا بحران ایک مستقل روگ ہے جو ان جماعتوں کو لاحق رہا ہے۔ جمعیت علماء اسلام میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا غوث ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کے علاوہ کوئی قابل ذکر شخصیت میسر نہ آسکی۔ اس وقت اس کے دونوں دھڑوں کی قیادت "سیاسی گدی نشینی" ہے۔ انہیں قیادت اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی ہے۔ اسی طرح جمعیت علماء پاکستان بھی اپنے قیام سے لے کر آج تک نورانی میاں اور مولانا نیازی کے دم قدم سے چل رہی ہے علامہ طاہر القادری صاحب قائدانہ صلاحیتوں سے متصف ہیں لیکن انہوں نے جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم کو اپنی امنگوں سے فرو تر سمجھا اور اپنا الگ تشخص قائم کرنے کے لئے دینی سیاسی جماعتوں میں ایک جماعت کا اضافہ کر دیا۔ لہٰذا دینی سیاسی جماعتوں کو قیادت کے بحران کا بہرحال سامنا ہے جس کی وجہ سے وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرنے سے قاصر رہی ہیں۔

ایک بات جو بڑی معذرت کے ساتھ کہنی ہے وہ یہ ہے کہ دینی جماعتوں کے قائدین میں اسلامی نظام حیات کا بھی کوئی واضح نقشہ موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی اس سے مستثنیٰ ہے۔ واضح نقشہ نہ ہونے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام قدیم طرز تعلیم سے فیض یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثریت جدید عمرانی علوم سے نابلد ہے لہٰذا جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کو پیش نہیں کیا جاسکا۔ مساجد کے آئمہ' مدارس کے اساتذہ اور مفتیان عظام کی اکثریت "درس نظامی" کے فارغ التحصیل علماء پر مشتمل ہے۔

مدارس میں سارا زور فقہ پر ہے۔ لہٰذا درس نظامی سے اجتہادی بصیرت پیدا نہیں ہوسکتی۔ جس طرح اسلام کو جدید عمرانی افکار کے مطابق مولانا مودودیؒ نے سمجھا ہے اور پیش کیا ہے اس انداز سے علماء عظام میں سے کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ لیکن مولانا مودودی کا اسلام علماء کے طبقہ کو قابل قبول نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ درس نظامی ایک بوسیدہ اور ازکار رفتہ نظام تعلیم ہے جس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات راقم ہی نہیں کہہ رہا بلکہ بہت سے وہ علماء جو جدید تقاضوں سے آگاہ ہیں وہ بھی کہتے ہیں اور انہوں نے اپنے اداروں میں نصاب تعلیم میں ترامیم بھی کی ہیں۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ہر سال دینی مدارس سے ہزاروں علماء دستار فضیلت حاصل کر کے نکلتے ہیں لیکن ان کا معاشرے پر اثر نہیں ہے بلکہ وہ معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ وہاں دین کا علم تو دیا جاتا ہے لیکن دین کا فکر

نہیں دیا جاتا۔ وہاں سے جو لوگ نکلتے ہیں ان میں دین کے غلبے کی فکر پیدا نہیں کی جارہی' اس معاشرے کی اصلاح کی فکر پیدا نہیں کی جاتی۔ ان علماء کرام کی تمام بھاگ دوڑ روایتی مسئلے مسائل تک ہوتی ہے۔ دین کے غلبے کی اگر فکر کچھ نظر آتی ہے تو ان لوگوں میں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں اور ان تک دین کا صحیح تصور اگر پہنچ جائے تو ان کی زندگیاں اس فکر کی شہادت دیتی ہیں۔

علماء کرام بات تو نظام بدلنے کی کرتے ہیں لیکن وہ نظام ہے کیا؟ اس کی واضح تصویر شاید ان کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ٹیلی ویژن کا پروگرام "الیکشن آور" اگر قارئین نے دیکھا ہے تو انہیں اندازہ ہوا ہوگا کہ رجال دین نظام کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے عوام الناس کا تو ان کی اکثریت نے مذہب اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ چنانچہ حالیہ انتخابات میں بہت سے کٹر مذہبی حضرات جن سے راقم واقف ہے' انہوں نے بھی دینی سیاسی جماعتوں کو ووٹ نہیں دئے بلکہ ان میں سے اکثریت تو ایسے لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ علماء دین کا کیا کام ہے سیاست میں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ پہلے سے عوام الناس کی فکری تربیت نہیں کی گئی۔ انہیں یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں دین و سیاست دو الگ حقیقتیں نہیں ہیں۔

یہ بات ایک سے زیادہ مرتبہ کہی جاچکی ہے کہ علماء کرام کو ہر دور میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ حالیہ انتخابات سے پہلے رجال دین مختلف اتحادوں کے ذریعے میدان سیاست میں موجود رہے۔ اس کے علاوہ فوجی آمروں نے بھی انہی کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فوجی آمریت کے آخری گیارہ سالہ دور میں دین اور رجال دین کا سب سے زیادہ استحصال کیا گیا ہے۔ ہمارے لئے اصولی ہدایت یہی ہے کہ ان لوگوں کا تذکرہ اچھے الفاظ کے ساتھ کریں جن کا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہوچکا ہے۔ لیکن بعض ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں کہ جن کے ساتھ کسی قوم کی تقدیر وابستہ ہوتی ہے یا جن کے ساتھ کسی قوم یا ملک کے عروج و زوال اور شکست و ریخت کی تاریخ وابستہ ہوتی ہے۔ مرحوم صدر ضیاء الحق کا ذکر یہاں ضرور ہوگا۔ ان کے دور میں علماء کے کردار میں جیسے نقب لگائی گئی اس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ ضیاء الحق مرحوم نے اسلام کے لئے جو کچھ کیا وہ سب کے سامنے ہے لیکن علماء کو غیر موثر کرنے کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ "گڑ" کے ذریعے مارنے کے مترادف تھا۔ علماء کو خوب نوازا گیا۔ انہیں پروٹوکولز دئے گئے۔ مدارس کو زکوٰۃ فنڈ سے پیسے دیئے گئے' علماء کے لئے مختلف عہدے تخلیق کئے گئے۔ ہمیں اس کا دکھ نہیں ہے کہ اس طرح کیوں کیا گیا ہے بلکہ اصل دکھ اس بات کا ہے کہ اس طرح رجال دین نے ان کے ہر جائز و ناجائز اقدام کی حمایت کی اور علماء کا مزاحمتی کردار ختم ہو کر رہ گیا۔ خود مرحوم صدر کی شخصیت کے کئی روپ تھے وہ کبھی تو کسی دینی مدرسے میں دستار فضیلت عطا کرتے نظر آتے تھے تو کبھی کسی عرس کی تقریب کے موقع پر کسی مزار کو غسل دیتے دکھائی دیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ٹی وی اور فلمی ستاروں کو "تمغہ حسن کارکردگی" دیتے بھی نظر آتے تھے۔ نوبت بایں جارسید کہ علماء کرام بھی ستاروں کے جھرمٹ میں ستارہ امتیاز کا پٹہ ڈلوانے پہنچ جاتے تھے گویا تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔

جب علماء کو زکوٰۃ فنڈ سے خوب پیسے مل رہے ہوں اور بڑی بڑی گاڑیاں بھی میسر ہوں تو پھر وہ "مرد مومن مرد حق" کے نعرے کیوں نہ بلند کریں گے۔ ضیاء الحق مرحوم کے دوسرے "عرس مبارک" پر یہ راقم بھی اسلام آباد میں بطور ممبر موجود تھا۔ ہمارے ملک کے ایک بہت ہی "آزاد" مولانا نے جو وہاں "دعائیہ تقریر" کی اس کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں "اے اللہ تو نے ہمیں کن ظالموں کے حوالے کر دیا ہے جنہوں نے ہماری زکوٰتیں بھی بند کردی ہیں"

اب دوسرا سوال جو ہم نے مضمون کے شروع میں اٹھایا تھا کہ اس سب کچھ کے باوجود رجال دین نے انتخابی سیاست سے الگ ہو کر کوئی متبادل راستہ اختیار کیوں نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب سیاست کا کھیل ان کے مزاج کا حصہ بن چکا ہے جس سے وہ الگ نہیں ہوسکتے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ انقلاب کے لئے بہت زیادہ محنت شاقہ کی ضرورت ہے۔ انقلابی جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس کوئی انقلابی فکر ہو اور اس فکر کے ساتھ ساتھ کوئی واضح منہاج ہو جس پر چل کر انقلاب کی منزل سر کی جائے جبکہ ان تمام باتوں سے رجال دین تہی دامن ہیں۔ وہ بیچ بیچ کر چلنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس ایک جمہوری طریقہ موجود ہے اس کے ذریعے ہم تبدیلی لاسکتے ہیں۔ ہمیں اس سسٹم کو نہیں توڑنا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ پہلے نظام باطل کو توڑنا ضروری ہے۔ تعمیر سے پہلے تخریب بہرحال ضروری ہے اس لئے کہ ع:

تخریب جنوں کے پردے میں تعمیر گلستان ہوتے ہیں

اور جب تک خاک و خون میں نہ ملا جائے انقلاب کی منزل سر نہیں کی جاسکتی جبکہ رجال دین سسٹم کو بچانا چاہتے ہیں گویا۔

اپنی آشفتہ مزاجی پہ ہنسی آتی ہے
دشمنی سنگ سے اور کانچ کا پیکر رکھنا

اور

یہ سواد کوئے جاناں یہ قدم قدم بلائیں
جنہیں جان ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

جہاں تک تعلق ہے جماعت اسلامی کا تو واقعتاً جماعت کے پاس ایک واضح فکر موجود ہے۔ اس جماعت کی اٹھان بھی انقلابی تھی لیکن غلط موڑ مڑ جانے کے نتیجے میں اس کی ساری صلاحیتیں ضائع ہورہی ہیں۔ مسلسل ناکامیوں کے باوجود اس اصل غلطی کا ازالہ نہیں کیا جارہا۔ حالیہ انتخابی ناکامی کے بعد جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا ہے تو اس میں بھی سارا غور و فکر ضمنی باتوں پر رہا ہے کہ ووٹ کیوں کم ملے؟ انتخابی مہم چلانے میں کیا کیا خامیاں رہ گئی ہیں۔ اور آخر میں نتیجہ یہ نکالا کہ آئندہ انتخابات میں ان غلطیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔

آج اپنی ناکامی کو تسلیم کرنے کے بجائے الٹی سیدھی تاویلات کا سہارا لیا جارہا ہے۔ ایک روزنامے میں امیر العظیم کی ایک تحریر شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ موجودہ انتخابات میں تو ہمارا تعارف ہوا ہے گویا۔

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

اور خود محترم قاضی حسین احمد صاحب کا بیان شائع ہوا ہے کہ ہمیں تو ایک سیٹ کی بھی توقع نہ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ہم عرض کریں گے کہ جناب اگر ایک سیٹ کی توقع نہ تھی تو "وزیر اعظم قاضی حسین احمد" کے نعرے لگوانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ سب کچھ کمپنی کی مشہوری کے لئے تھا۔ ظاہر ہے آپ کو توقع تھی یا نہ تھی لیکن کارکنوں کے حوصلے تو پاتال کو جا پہنچے ہیں۔

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں اسلام کے نئے پاسبانوں کے کارناموں کو بھی حرف تنقید بنایا گیا ہے اور آئندہ کے لئے فیصلہ کیا گیا کہ اس طرح کی

حرکات نہیں ہوں گی۔ اس ضمن میں ہم دو باتیں عرض کریں گے۔ پہلی بات یہ کہ جماعت اسلامی کے جو بزرگ آج پاسبان کی ان حرکات پر کڑھ رہے ہیں دراصل وہی لوگ جماعت کو الیکشن کی سیاست میں لے کر آنے والے ہیں۔ جب ۱۹۵۷ء میں ماچھی گوٹھ کا واقعہ پیش آیا اور اس موقع پر کچھ اکابر نے جماعت کے انتخابات کے ذریعے انقلاب لانے کی پالیسی سے اختلاف کیا تھا تو یاد ش بخیر محترم نعیم صدیقی صاحب ان لوگوں کے سرخیل تھے جن کا خیال تھا کہ انتخابات کے ذریعے انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر جماعت نے آہستہ آہستہ بازار سیاست کے تمام لوازمات پورے کرنے شروع کردئے۔ محترم قاضی صاحب تو اسی راستے پر چل رہے ہیں۔ چونکہ محترم قاضی صاحب بہت متحرک شخصیت ہیں لہٰذا انہوں نے مروجہ انداز میں جماعت کو "عوامی" بنادیا اور بقول شخصے "اسلام کو اشتراکیت کا لبادہ پہنا کر گلی کوچوں میں رسوا کردیا" یہ رسوائی وہ منطقی انتہا ہے اس راستے کی جو جماعت نے اختیار کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر جماعت یہ سارے کرتب کرنے کے باوجود کچھ حاصل نہ کرسکی تو ان سے اپنے دامن کو بچا کر میدان سیاست میں اسے کیا حاصل ہوگا۔ دراصل ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت اپنے طریق کار پر نظر ثانی کرے۔ جماعت کے اندر وہ قوت بحمداللہ موجود ہے جو انقلاب کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

حال ہی میں اپنے ایک کرم فرما سے جو بہت پڑھے لکھے انسان ہیں' نجی گفتگو کے دوران راقم نے سوال کیا کہ اگر پاکستان میں سیکولرزم آئے گا کیا اسے کسی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ تو ان بزرگ کا جواب تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مزاحمت ہو۔ آخر مزاحمت کون کرے گا؟ ان کا یہ جواب تھا۔ میں نے فوراً کہا کہ جماعت اسلامی اور دوسری دینی قوتیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ "جماعت اسلامی کے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے"۔ میں نے ان سے نہایت ادب سے عرض کیا کہ آپ لوگ جماعت کی طاقت کو گنتے ہیں جبکہ ہم تولتے ہیں۔ اور بدقسمتی سے جماعت نے بھی اپنی طاقت کو گننا شروع کردیا ہے۔ جماعت کو فکر ہے تو اپنے ووٹ بینک کی کہ کس طرح بڑھایا جائے۔

موجودہ انتخابی نتائج نے ثابت کر دیا ہے کہ جماعت اسلامی اس کوچہ کی جماعت نہیں ہے۔ گزشتہ ندائے خلافت کے شمارے میں برادرم محمد سمیع صاحب کے یہ الفاظ کہ "انتخابات نے آپ کو چھوڑ دیا ہے آپ بھی اسے چھوڑ کر دیکھئے" پڑھ کر راقم کا ذہن فوراً علم تصوف کی دو اصطلاحات کی طرف گیا۔ کچھ لوگ "تارک الدنیا" ہوتے ہیں' جو اپنی آزاد مرضی سے دنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں اور کچھ لوگ "متروک الدنیا" ہوتے ہیں کہ دنیا والے ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ نتیجۃً ان کا رجوع مخلوق کی بے اعتنائی کی وجہ سے خالق کی طرف ہوجاتا ہے۔ جماعت کو "تارک الانتخابات" ہونے کا اعزاز حاصل نہیں ہوسکا لیکن وہ "متروک الانتخابات" تو بہر حال ہوچکی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا رجوع انقلاب کی طرف کب ہوتا ہے۔

یہ بات کافی خوش آئند ہے کہ جماعت کے اندر بھی جماعت کی انتخابی پالیسی کے بارے میں تشویش پائی جاتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ سے پیوستہ رمضان المبارک کی بات ہے' کراچی سے تنظیم اسلامی کے ایک رفیق نے بتایا جو خود اس محفل میں موجود تھے کہ محترم قاضی حسین احمد صاحب نے تقریر کے دوران حاضرین سے' جن میں سے اکثریت جماعت اسلامی کے وابستگان کی تھی' سوال کیا کہ کیا انتخابات کے ذریعے تبدیلی ممکن ہے؟ تو سب نے بیک آواز کہا کہ نہیں نہیں۔ اس پر محترم قاضی صاحب نے تبصرہ فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محترم قاضی صاحب جانتے بوجھتے یہ غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ سوئے ہوئے کو جگایا جاسکتا ہے لیکن جاگے ہوئے کو کیسے جگایا جائے؟۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے ان کو دل اور جو نہ دے مجھ کو زباں اور

مقصد مسلمانوں کو آپس میں گتھم گتھا کرنا ہے

کموڈور (ریٹائرڈ) طارق مجید کے تبصرے کا خلاصہ

جمعہ ۱۳ ستمبر' وہائٹ ہاؤس' واشنگٹن میں منعقدہ ایک تقریب میں یاسر عرفات کی پی۔ایل۔او اور اسرائیل کی جانب سے ایک دستاویز پر دستخطوں کی کارروائی یاسر عرفات کی توہین آمیز بے بسی کی وہ منہ بولتی تصویر تھی جس نے گزشتہ بیس سال میں یاسر عرفات کی ساری بھونڈی حرکتوں پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ یاسر عرفات کی حقیقت اسی وقت معلوم ہوگئی تھی جب ۱۹۸۲ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے دوران میں وہ فلسطینیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بیروت سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت جب کہ یاسر عرفات کو پی۔ایل۔او کے اپنے دھڑے میں بھی قابل رشک حیثیت حاصل نہیں' اسرائیل کا پی۔ایل۔او کے حق میں "قبولیت" کی سند حاصل کرنا بے معنی ہی نہیں بلکہ یہودیوں کی عیارانہ اور شاطرانہ چالوں کی کامیابی کا ایک ادنیٰ سا مظہر بھی ہے جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسرائیل جو کام خود نہیں کرسکا وہ یاسر عرفات کے ذریعے کرایا جائے' یعنی فلسطینی ہی فلسطینیوں کا گلا کاٹیں۔ اس کام میں یاسر عرفات کی مدد کے لئے عیسائی اور یہودی فلسطینیوں پر مشتمل ایک پولیس فورس پہلے ہی وجود میں لائی جاچکی ہے۔

اس اعلامیہ کی رو سے پی۔ایل۔او نے اسرائیل کی ریاست کے امن اور سلامتی کے ساتھ قائم رہنے کے حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہودی لغت میں "امن" کے معنی اسلحے کے انبار قائم کرنا اور سلامتی سے مراد زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ جمانا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو یہی وہ "حق" ہے جو اسرائیل نے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے تحت مصر سے مارچ ۱۹۷۹ء میں تسلیم کروایا تھا اور اب دوسرے عرب ممالک سے تسلیم کروانے کی تیاری ہورہی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ جوں جوں یہ عمل آگے بڑھتا ہے پہلے عرب ممالک اور اس کے بعد پاکستان اور ایران جیسے مسلم ممالک کس طرح اندرونی انتشار اور عدم استحکام کا شکار ہوکر یہودی سازش کا نشانہ ثابت ہوتے ہیں جس کا مقصد مسلمانوں کو آپس میں گتھم گتھا کرنا ہی نہیں' مسلمانوں اور عیسائیوں کو آمنے سامنے لا کھڑا کرنا ہے۔

قادیانی اور امریکی آقاؤں کا ایک گماشتہ

ایم ایم احمد کون ہے؟

محمد طاہر رزاق

ملک کے سیاسی بحران کا آغاز جس نے تازہ الیکشن کو ضروری بنا دیا تھا' سابق صدر غلام اسحاق خان اور سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کی چپقلش سے ہوا۔ جلد ہی اس چپقلش نے ایک بڑی جنگ کا روپ دھار لیا اور پھر اس جنگ کے مہیب شعلے پورے ملک میں پھیل گئے۔ بہت سے مخلصوں نے اس جنگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن کوشش رائیگاں اور ہر تدبیر بے سود ٹھہری۔

آخر ۱۸ اپریل کو صدر پاکستان نے آٹھویں ترمیم کی ایک ہی ضرب سے قومی اسمبلی توڑ دی۔ صاحبان فہم و فراست نے جو اپنے روشن دماغ اور چشم بینا سے ان سارے حالات کا بغور جائزہ لے رہے تھے' غلام اسحاق خان سے قومی اسمبلی تڑوانے اور صدر' وزیراعظم کے درمیان لڑائی کروانے والے شخص کو پہچان لیا جو قومی اسمبلی ٹوٹنے سے ایک ہفتہ قبل ایوان صدر میں خفیہ طور پر آ جا رہا تھا۔ وہ ایوان صدر میں صدر کا مہمان بن کر ٹھہرا تھا۔ اس نے خفیہ طور ربوہ کا دورہ بھی کیا اور کئی دفعہ امریکی سفیر جان مونجو سے بھی ملا۔ اس غدار وطن' غدار اسلام' قاتل مشرقی پاکستان آلہ کار یہود و نصاریٰ کا نام ایم ایم احمد قادیانی ہے۔

ایم۔ ایم۔ احمد کون ہے؟ اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟

ایم۔ ایم۔ احمد جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا' اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں گستاخانہ کتاب "سیرت المہدی" لکھنے والے مرزا بشیر احمد کا بیٹا' قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کا بھتیجا اور موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا طاہر کا چچیرا بھائی ہے۔ امریکی اور برطانوی ایجنٹ ہونے کے ناطے ایم۔ ایم۔ احمد پاکستان کے کلیدی عہدوں پر قابض رہا اور اپنے اختیارات سے اپنے آقاؤں کی خدمت بھی کرتا رہا اور قادیانیت اور قادیانیوں کو بھی پالتا رہا۔ حکومتیں بدلتی رہیں۔ اقتدار آتے جاتے رہے لیکن ایم۔ ایم۔ احمد ہر حکومت میں شامل رہا۔ ذیل میں ہم ایم۔ ایم۔ احمد کی زندگی کے چند گوشے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

☆ ۔ جب یحییٰ خاں برسراقتدار آیا تو اس نے آتے ہی ایوبی حکومت کی انتظامیہ کے ۳۱۳ اعلیٰ افسروں کو برطرف کر دیا' جس میں الطاف گوہر اور قدرت اللہ شہاب جیسے لوگ بھی شامل تھے لیکن امریکی و برطانوی مہرہ ایم۔ ایم۔ احمد' یحییٰ خاں کی حکومت میں بھی شامل ہو گیا۔

☆ ۔ یحییٰ خان کے بعد بھٹو مسند اقتدار پر بیٹھا تو اس نے ان فوجی افسران اور کئی اعلیٰ سول افسران کو چلتا کیا جنہیں وہ یحییٰ خاں کے ساتھ سقوط مشرقی پاکستان کا ذمہ دار سمجھتا تھا لیکن غیر ملکی ایجنٹ اور مشرقی پاکستان کا قاتل ایم۔ ایم احمد بھٹو کی حکومت میں بھی شامل ہو گیا۔

☆ ۔ حکومت پاکستان نے ۱۹۶۹ء میں سعودی عرب کے ساتھ اقتصادی تعاون کے لئے ایک خاص کمیٹی قائم کی جس کا سربراہ ایم۔ ایم۔ احمد مقرر ہوا۔ عوام نے اس پر زبردست احتجاج کیا لیکن ظالم حکمرانوں نے ایک مرزائی کی خاطر مسلمانوں کی آواز کو دبا دیا۔

☆ ۔ جب اسے ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کے اعلیٰ عہدہ سے علیحدہ کیا گیا تو مسلمانوں نے زبردست خوشی منائی لیکن فوراً بعد ہی وہ صدر پاکستان یحییٰ خان کا اقتصادی امور کا مشیر مقرر ہو گیا اور اس کا عہدہ و مراعات وزیر کے برابر رکھے گئے۔

☆ ۔ امریکی یہودی ایجنٹ ایم۔ ایم۔ احمد پاکستان میں کس قدر قوت حاصل کر چکا تھا' اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے۔ اسی لئے تو قادیانی خلیفہ اپنی قوم کو بار بار یہ بشارت سنا رہا تھا کہ عنقریب اقتدار ہمارے ہاتھ میں آ جائے گا اور تم اس ملک کے وارث بنو گے۔ صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحییٰ خان جب ایران کے صد سالہ جشن میں شرکت کے لئے ایران گیا تو ایم۔ ایم۔ احمد کو پاکستان کا قائم مقام صدر بنا گیا۔ مرزائی خوشی سے دیوانے ہو گے کہ آج صدارت کی کرسی پر مرزا قادیانی کا پوتا بیٹھے گا اور ہمارے خلیفہ کی پیش گوئی بھی پوری ہو گی۔ اگلے دن صبح صبح ایم۔ ایم۔ احمد خوشی خوشی کرسی صدارت پر بیٹھنے کے لئے آفس پہنچا۔ کروڑوں مسلمان دل گرفتہ تھے کہ اللہ نے ان کی فریاد سن لی۔ ایم۔ ایم۔ احمد جونہی لفٹ میں سوار ہو کر اوپر جانے لگا' ایک شخص اسلم قریشی انتہائی پھرتی سے اس پر حملہ آور ہوا جس سے ایم۔ ایم۔ احمد زخمی ہو کر گر پڑا اور صدارت کی کرسی پر براجمان ہونے کی بجائے ہسپتال کے بستر پر پہنچ گیا اور اسلم قریشی حوالات پہنچ گیا۔ ایم ۔ ایم۔ احمد اتنے دن تک ہسپتال ہی میں پڑا رہا جب تک یحییٰ خان ایران سے واپس نہ آ گیا اور یوں قادیانیوں کی یہ خواہش دل ہی میں تڑپ کر دم توڑ گئی۔

بقیہ میاں طفیل محمد

اخراجات کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ تو بتایا ہے کہ دس کروڑ روپے سے زائد خرچ ہوئے ہیں مگر کہاں خرچ ہوئے ہیں اور کیسے خرچ ہوئے ہیں یہ نہیں بتایا گیا۔ بہرحال یہ باتیں ضرور ہو رہی ہیں کہ کچھ قریبی کارکنان نے پیسہ بنایا ہے اور اگر اب ان کے ہاتھ میں پاکستان آ گیا تو پھر یہ کیا کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس انتخابی مہم میں وہ کام کئے گئے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بس قاضی آ گیا ہے سب ہٹ جائیں گے۔ نواز شریف' بے نظیر' پولیس' عدالتیں سب ہٹ جائیں قاضی آ رہا ہے اور پھر اس سے خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے عوامی عدالتیں لگانی شروع کر دیں۔ عوامی عدالتیں لگانے کا سلسلہ تو کمیونسٹوں نے شروع کیا تھا وہ عوامی عدالتوں میں اپنے مخالفین پر مقدمہ چلاتے اور انہیں پھانسی کی سزا سناتے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ الیکشن میں پاکستان اسلامک فرنٹ کو پرف چھ لاکھ ووٹ ملے تھے۔ اس چھ لاکھ ووٹ میں سے چار لاکھ ووٹ سرحد سے ملا جہاں الیکشن جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے لڑا گیا ہے اور خاص طور پر پانچ ہزار جماعت کا جھنڈا بنوا کر وہاں بھیجا گیا کیونکہ انہوں نے فرنٹ کے جھنڈے لگانے سے انکار کر دیا۔ اب باقی پورے پاکستان سے دو لاکھ ووٹ ملے۔ آپ خود حساب لگا لیں کیا ایک ووٹ پلاٹینم سے بھی مہنگا ہوا۔

ہے اور یہودیوں کے نزدیک "موعودہ سرزمین" کا حصہ نہیں۔

اسرائیل' پی۔ایل۔او "ملاپ" پر تبصرہ کرتے ہوئے سابق اسرائیلی وزیر خارجہ ابا ایبان کا کہنا تھا کہ ان گندے گلی کوچوں میں پتھر پھینکنے والے فلسطینی چھوکروں کے پیچھے بھاگنے سے ہماری جان چھوٹی۔ مصر اور اردن کی مدد سے جو پولیس فورس تیار ہو رہی ہے اس کے ذریعے پی۔ایل۔او یہ کام سرانجام دے گی۔

مسلمان حکمران خصوصاً مصر اس طرح کے کاموں میں ویسے بھی بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ اسرائیل کے لئے سیکولر طاقتوں کو راہ راست پر لانا کوئی مسئلہ نہیں' بنیاد پرستی سے اس کی جان جاتی ہے۔ اس سے فارغ ہو کر اب وہ زیادہ اہم اور بامقصد کام انجام دے سکے گا۔

سب سے پہلے اسے عرب ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات "معمول" پر لانا ہیں۔ بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان' ایران وغیرہ کو اپنی "حدود" کے اندر رکھنے کا اہتمام کرنا ہے۔ بھارت خاصی بڑی مقدار میں اسرائیل سے فوجی امداد لیتا ہے مگر عرب اسرائیل تعلقات کشیدہ ہونے کے سبب اسے ہر مرتبہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ اس کے کوئی خفیہ تعلقات نہیں کیونکہ نہ صرف بھارت کے اندر مسلمان بھاری اقلیت میں ہیں' بلکہ خلیج کی ریاستوں کے ساتھ اس کے کاروباری مفادات وابستہ ہیں۔ اسی طرح ترکی کے وزیر خارجہ کو جولائی میں اپنا اسرائیل کا جو دورہ ملتوی کرنا پڑا تھا' اس کے لئے راہ ہموار ہو جائیگی لیکن اسرائیل کو زیادہ جلدی وسطی ایشیاء کی ہے جہاں کمیونسٹ حکومتوں کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر قدم جمائے جاسکتے ہیں اور ان ریاستوں کو پاکستان' ایران اور ترکی جیسے مسلمان ممالک کے قریب آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

عرب حکمرانوں کو فلسطینیوں سے زیادہ اپنے اپنے اقتدار سے دلچسپی تھی' پی۔ایل۔او نے اپنے طور پر قصہ پاک کر لیا' اچھا ہوا کہ ان کے سر سے بلا ٹلی اب اسرائیل جیسی "سپر پاور" سے بے خطر عیش و آرام سے رہیں گے۔

شاہ فہد سے پہلے ہی فون پر صدر کلنٹن بات کر چکے تھے کہ پی۔ایل۔او کے لئے آپ کی حمایت وقت کا تقاضا ہے چنانچہ شاہ فہد نے اسے امن کی جانب تاریخی اقدام قرار دیا۔ جدہ میں قائم "تنظیم اسلامی کانفرنس" کے سیکرٹری جنرل نے بھی شاہ فہد کی پیروی میں "فلسطینی قیادت" کو اپنی حمایت کا یقین دلا دیا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ ڈگلس ہرڈ پہلے سے خلیج کے علاقے میں موجود تھے اور انہیں آپس کے اختلافات بھلا کر پی۔ایل۔او کی حمایت پر آمادہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ خلیج کی جنگ سے جو بعد پیدا ہو گیا ہے اسے ختم کرنے کا یہ موقع ہے۔ کویت کے لئے یہ خاصا تکلیف دہ معاملہ تھا مگر اپنے اتحادی کا مشورہ قبول نہ کرنا احسان فراموشی ہوتا۔ مصر کے لئے یاسر عرفات کا کارنامہ اس لحاظ سے باعث افتخار تھا کہ سادات سولہ سال قبل جو مہم سر کر گئے تھے یاسر عرفات بعد از خرابی بسیار وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

امن کے اس عمل میں تیونس نے نہایت مثبت اور اہم کردار ادا کرنے کے بعد اپنی اس توقع کا اظہار کیا کہ عالمی برادری یہ کوشش جاری رکھے گی تاکہ ان تمام مذہبی اور انتہا پسند عناصر کی حوصلہ شکنی ہو جن سے خود تیونس سمیت کئی دوسرے ملک نبرد آزما ہیں۔

اس ڈرامے کا نقطہ عروج اسرائیلی وزیر اعظم کا ۱۴ ستمبر کو اپنے وزیر خارجہ سمیت واشنگٹن سے سیدھا رباط ہوائی اڈے پر قدم رنجہ فرمانا تھا جہاں ان کا نہایت پر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اس آمد کا مقصد شاہ حسن دوم کے کارناموں پر خراج تحسین پیش کرنا تھا۔ شاہ نے اپنے محل میں اسرائیلی وزیر اعظم کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ ایک گھنٹہ ملاقات کے بعد انہیں کیسا بلانکا لے گئے اور نئی تعمیر کی گئی عالیشان مسجد دکھائی۔ یاد رہے کہ شاہ حسن دوم اپنے آپ کو "امیرالمومنین" کہلاتے ہیں اور اسرائیل کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم قائم ہیں۔

لیبیا کے کرنل قذافی کا کہنا تھا کہ اسرائیل کے پاس دو سو ایٹم بم ہیں جو چار ہزار میل دور مار کر سکتے ہیں۔ مگر یاسر عرفات جریکو میں ان سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اسی لئے غالباً قذافی نے حاجیوں کا ایک وفد اس سال اسرائیل کے دورے پر بھجوایا تھا۔

اردن' شام' لبنان نیز پی۔ایل۔او کے اندر باہر یاسر عرفات کی سودا بازی پر خاصے شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں اور یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اسرائیل کے مقابلے میں وہ مزید کمزور ہو گئے ہیں لیکن خلیج کی جنگ کے نتیجے میں عربوں نے پی۔ایل۔او کی مالی امداد بند کر کے اسے جن مشکلات سے دوچار کر دیا تھا' ان سے نجات کی راہ فی الحال نکل آئی ہے بلکہ ایک دفعہ تو یاسر عرفات پر نوٹوں کی بارش ہونے لگی ہے۔ ویسے امریکہ کا حکم یہ ہے کہ اس منصوبے کو کامیاب کرنے کے لئے تمام وسائل عرب ممالک اور خلیج کی ریاستوں کو فراہم کرنا ہوں گے۔ امریکہ صرف نگرانی کرے گا۔

عراق کی تباہی و بربادی' سعودی عرب اور کویت کے خزانے خالی کرانے اور عالم اسلام کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرنے کے بعد یہ "امن منصوبہ" اسرائیل کی من مانی کارروائیوں کی تازہ مثال ہے لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یاسر عرفات نے اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب اسرائیل شدید مالی بحران سے دوچار تھا۔ اسرائیل کو جس طرح بڑھا چڑھا کر ایک جدید اور ترقی یافتہ ملک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے' وہ محض مبالغہ آرائی ہے۔ اسرائیل دنیا کا شاید واحد ملک ہے جو صرف دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کے چندوں اور مغربی ممالک' خصوصاً امریکہ کی مالی امداد پر چل رہا ہے۔ اس پر مستزاد اس کی سیاسی بقاء کا دارو مدار دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو لاکر اسرائیل میں آباد کرنے پر ہے جس کے لئے اسے ہر سال بیس فیصد کے حساب سے زائد آمدنی چاہئے جبکہ امریکہ جو اب تک اس کے لئے مالی امداد کا سب سے بڑا ذریعہ تھا' خود مالی مشکلات سے دوچار ہے' لہٰذا یہ ضروری ہو گیا تھا کہ سیاسی طور پر جان بہ لب امیر عربوں کی دولت پر ہاتھ صاف کیا جائے۔

اسرائیل کا مسئلہ صرف اپنی معیشت کو مستحکم کرنے' یہودیوں کی آباد کاری اور فلسطین میں ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے پیش نظر ایک عالمی ریاست کا قیام ہے۔ جس کا دارالحکومت یروشلم ہو۔ پی۔ایل۔او نے اسرائیل کے امن اور سلامتی کے ساتھ قائم رہنے کے حق کو تسلیم کرنے کے علاوہ دہشت گردی اور پر تشدد سرگرمیوں کی بھی مذمت کی ہے۔ مگر اس وقت جب پی۔ایل۔او میں خود کوئی حرکت کرنے کی سکت ہی موجود نہیں جواب آں غزل کے طور پر اسرائیل نے پی۔ایل۔او کو فلسطینی عوام کے نمائندہ ہونے کی سند عطا کی ہے جبکہ اسے یقین ہے کہ یہی بات غلط ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسرائیل اگر فلسطینیوں کے ساتھ کسی مفاہمت پر آمادہ تھا تو اس نے ایک ایسے شخص کے ساتھ ہاتھ ملانے کا فیصلہ کیوں کیا جو اپنی قدر و قیمت کھو چکا ہے؟ جواب بہت واضح ہے۔ یاسر عرفات کو جو ذمہ داری سونپی جا رہی ہے وہ ایسے ہی شخص کی متقاضی ہے جو گھر کا ہو نہ گھاٹ کا۔

...ZHA-E-KHILAFAT LAHORE
...Model Town Lahore 54700 Regd:No L 9184

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا---

لیکن ''من انصاری الی اللہ'' کا آوازہ لگا کر

مولانا آزاد خود ہی سیاست کی وادیوں میں گم ہو گئے

ایسی حالت میں مقدم تر امر یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا کئے جائیں' جو ایک مخصوص صحبت قائم کر لیں' اور پھر ان تمام کاموں کو (جن میں سے اکثر کو الحمد للہ شروع کر دیا گیا ہے) بطور خود جاری رکھ سکیں۔ تاکہ تمام ارادے صرف ایک شخص کی حیات و ممات پر موقوف نہ رہیں اور ایک خاص رنگ اور قابلیت کی جماعت قوم میں پیدا ہو جائے۔

پس آج میں آواز بلند کرتا ہوں کہ .. ''من انصاری الی اللہ''؟ کوئی ہے جو راہ الٰہی میں میرا مددگار ہو؟ کوئی ہے جو اپنے چند اغراض و منافع قربانی کی خدمت ملت اور اعلائے کلمہ حق کی خاطر گوارا کرے؟ اور پھر کوئی ہے' جو ایک شکستہ دل' اور ایک اشکبار چشم کی فریاد پر لبیک کہے؟ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اپنی قابلیت اور زندگی کو بغیر کسی معاوضے کے میری معیت میں صرف کر دیں' اس کا طلب گار نہیں ہوں کہ اپنی دنیوی امیدوں اور توقعات کو خدمت ملت کی راہ میں بالکل قربان کر دیں۔ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو خود کسی طرح کا معاش کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے ہر شخص کو الزام دیتے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح اہل و عیال کی فکر سے بے فکر ہو کر کیوں نہیں ایثار کرتا؟ میں جانتا ہوں کہ ضروریات زندگی اور پابندی علائق کی زنجیر ہر شخص کے پاؤں میں ہے اور سچا ایثار صرف مال ہی کے ایثار میں نہیں ہے' بلکہ سب سے بڑا ایثار دل اور ارادے کا ایثار ہے۔ پس مالی معاوضے اور تنخواہ کا لینا ایثار و صداقت میں حائل نہیں ہو سکتا۔ مالی خدمت جس قدر ممکن ہے' اس سے دریغ نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ایسے لوگوں کا طالب ہوں' جو اس تعلق کو محض ایک کاروباری تعلق اور تجارتی لین دین نہ سمجھیں' بلکہ اپنے دل میں ایک ہلکا سا زخم بھی درد ملت کا لے کر آئیں' اور علم و خدمت علم کے سچے ولولے سے خالی نہ ہوں۔

تیس راتیں انہوں نے فکر ملازمت و حصول معاش کی بے چینی میں کاٹی ہوں' تو کم از کم ایک رات کا بارہواں حصہ کبھی اپنے اخوان ملت کے درد میں بسر کیا ہو۔ علم کو ہمیشہ حصول معاش کا وسیلہ سمجھ کر پڑھا ہو' مگر علم کے لئے اختیار کرنے کی دبی دبائی پھانس بھی کبھی کبھی ان کے پہلو میں چبھ جاتی ہو۔

''لقاء وجہ رب'' کی سعی اور ''ابتغاء مرضات اللہ'' کا مقام بہت اونچا ہے' وہاں تک رسائی ہم آلودگان ہوائے نفسانی کو کہاں حاصل؟ تاہم اگر ہزاروں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں چند اشخاص اتنے ایثار کے لئے بھی تیار نہ ہوں کہ تنخواہ لے لینے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگیوں کو بارادۂ محکم خدمت ملی کے لئے وقف کر دیں' تو پھر ان زبانی ہنگاموں' اور ادعائی شعور و شغب کو بھی کیوں نہ بند کیا جائے جو اخبار کے صفحوں اور انجمنوں اور صحبتوں کی روئدادوں میں ہمیشہ دکھلایا جاتا ہے۔OO

''الہلال'' کے ایک ابتدائی شمارے (۱۶ / اکتوبر ۱۹۱۲ء) میں مولانا آزاد کے ارارتی کلمات سے ایک اقتباس۔

''ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ''

امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے رپورٹوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی گفتگو کا آغاز سورۂ کہف کی اس آیت سے کیا ''لولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ'' ''یعنی جب تو اپنے باغ میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ جو کچھ اللہ چاہے گا وہی ہو گا اور کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کے'' آپ نے کہا کہ ایک بندہ مومن کے شایان شان یہی ہے کہ وہ اپنی تمام تر کارگزاری کو اللہ کے فضل سے منسوب کرے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

آپ نے تبصرہ کو سورۂ فتح کی اس آیت سے مزین کیا ''کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منھم مغفرۃ و اجرا عظیما○ یعنی ''گویا کہ ایک کھیتی جس نے پہلے کونپل نکالی' پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ ان کے پھیلنے پھولنے پر جلیں اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا''۔

انہوں نے کہا کہ آج میری کیفیت بھی اس کسان جیسی ہی ہے جو اپنی کھیتی کو لہلہاتے دیکھ رہا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے آخری ٹکڑے سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ یوم حساب محاسبہ فرداً فرداً ہو گا اور سب کو اپنے اپنے عمل کا ہی پھل ملے گا لہٰذا ہم سب کو یہ بات بہت اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ محض کسی تنظیم میں شمولیت ہی کافی نہیں بلکہ ہر وقت اپنی نیت اور کارکردگی پر نظر رکھنا لازمی ہے۔ الحمد للہ ہم ایک تدریج کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنے ہدف کی جانب گامزن ہیں اور رپورٹوں میں مبالغہ آرائی سے گریز کرتے ہوئے رفتار کار کا حقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تنظیم اسلامی کے ایک سالانہ اجتماع کی روداد سے ماخوذ